بینکوں میں زکوٰۃ کی کٹوتی
چند قابلِ اصلاح پہلو

عرفان خالد ڈھلوں، لیکچرار گورنمنٹ کالج، شاہدرہ، لاہور

پاکستان میں ہر سال یکم رمضان کو بنکوں و دیگر مالی اداروں میں کھاتہ داروں کے ظاہر اثاثوں سے زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی کی جاتی ہے۔ یہ کٹوتی زکوٰۃ و عشر آرڈیننس نمبر XVIII مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت کی جاتی ہے جو جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں ۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو نافذ ہوا۔ اس آرڈیننس کا نفاذ اسلامی ریاست کے ایک اہم فریضہ کو ادا کرنے کی کوشش ہے۔ زکوٰۃ کی وصولی اور مستحقین میں اس کی تقسیم کا مکمل نظام قائم کرنا اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الذین إن مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واٰتوا الزکاۃ [1]

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ آپ ریاستِ مدینہ کے حکمران بھی تھے، حکم دیا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا [2]

(اے نبی) تم ان کے اموال سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ۔

ان آیات کے مطابق اسلامی ریاست پر یہ لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مکمل نظام قائم کرنے کے لیے قانونی و عملی اقدامات کرے۔ اسلامی ریاست میں کوئی مسلمان مالدار زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔

مسلم سیاسی مفکرین نے اس انکار کو ریاست سے بغاوت قرار دیا ہے[۳] حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحیثیت حکمران اُن مالداروں سے جنگ کی تھی جو زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تھے۔ آپؓ کا یہ موقف تھا :

لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علیٰ منعھم[۴]

بخدا اگر انہوں نے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی منکرین زکوٰۃ سے جنگ ریاستوں اور حکومتوں کی تاریخ کا اس لحاظ سے غالباً پہلا اور منفرد واقعہ ہے کہ ایک ریاست نے معاشی طور پر کمزور اور غریب افراد کو ان کا حق دلانے کے لیے دولت منداور سرمایہ دار طبقے کے خلاف باقاعدہ جنگ کی۔ معاشی انصاف کے انقلابی اقدامات کا نعرہ لگانے والی مسلمان حکومتوں کو اِدھر اُدھر دیکھنے کی بجائے خلفائے راشدین کی پیروی کرنا ہوگی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما منع قوم الزکاۃ إلا ابتلاھم اللہ بالسنین[۵]

جو قوم زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دیتی ہے اللہ اسے بھوک اور قحط میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

حنفی فقیہ امام محمد کا فتویٰ ہے :

من لم یؤد الزکاۃ لم تقبل شہادتہ[۶]

جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی گواہی ناقابلِ قبول ہے۔

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت زکوٰۃ کا جو قانون نافذ کیا گیا ہے وہ اسلامی نظامِ زکوٰۃ کی تمام تفصیلات کا احاطہ نہیں کرتا۔ اموالِ ظاہرہ میں سے صرف اُن اثاثوں پر زکوٰۃ کی کٹوتی کا قانون وضع کیا گیا ہے جو بینکوں اور دیگر مالی اداروں میں لوگوں نے اپنے کھاتوں میں جمع کرائے ہیں جیسے کرنسی نوٹ۔ بعض افراد کی یہ فقہی رائے ہے کہ کاغذ کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے جس کا لحاظ کرتے ہوئے مذکورہ آرڈیننس میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی پاکستانی مسلمان یہ حلفیہ بیان دے کہ وہ اپنے عقیدہ اور فقہ کی رُو سے قانون میں درج طریقہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنے کا پابند نہیں تو

اس کے اثاثوں سے زکوٰۃ کاٹی نہیں جائے گی اور اگر کٹ گئی تو عند الطلب واپس کر دی جائے گی۔

جمہور مسلمانوں کے نزدیک کاغذ کے کرنسی نوٹ آج کل قابلِ زکوٰۃ آثاثہ ہیں۔ پوری دنیا میں سونے کے علاوہ کرنسی نوٹ بھی اشیاء کی قیمت قرار پا چکے ہیں۔ لین دین، اشیاء کے تبادلہ میں چیزوں کی قیمت کے تعین اور اس کی ادائیگی میں یہ نوٹ استعمال ہوتے ہیں۔ اِن کرنسی نوٹوں کو خرید و فروخت میں وہی قوت اور اثر و نفوذ حاصل ہے جو سونے کو ہے۔ کاغذ کے کرنسی نوٹ سرمایہ اور مال بن چکے ہیں۔ انہیں ذخیرہ کیا جاتا ہے یہ قابلِ افزائش مال ہیں۔ یہ بات قرینِ قیاس نہیں ہے کہ سونا، چاندی، اونٹ، بکریاں، گائے وغیرہ تو مال کہلائیں اور ان پر زکوٰۃ ہو لیکن روپوں کی شکل میں جمع شدہ لاکھوں اور کروڑوں کی مالیت کی دولت پر کوئی زکوٰۃ نہ ہو۔

ساڑھے سات تولہ یا آرڈیننس کے مطابق ۸۷.۴۸ گرام سونا یا باون تولہ یا ۶۱۲.۳۲ گرام چاندی یا پانچ اونٹ، چالیس بکریاں اور تیس گائے کا مالک تو غنی کہلائے اور اس پر زکوٰۃ فرض ہو لیکن ایک شخص جو کاغذ کے کرنسی نوٹوں کی شکل میں لاکھوں اور کروڑوں کا مال جمع کرے جس سے وہ کئی کلو گرام سونا اور چاندی، بیسیوں اونٹ اور سینکڑوں بکریاں اور گائے خرید سکتا ہو وہ غنی نہ کہلائے اور اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہو۔ یہ بات شارع کے منشاء کے خلاف بھی نظر آتی ہے اور اس سے وہ مقصد بھی پورا نہیں ہوتا جو ایک معاشرے میں اسلام کے مالی نظام سے حاصل کرنا مطلوب ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم[۳]

"تاکہ وہ (مال) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

کاغذ کے کرنسی نوٹوں کا استعمال زیادہ قدیم نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاغذ کرنسی کے طور پر استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ چاندی کے درہم اور سونے کے دینار بطور کرنسی رائج تھے۔ ہماری کتب فقہیہ میں بھی کاغذی کرنسی کی بحثیں نہیں ملتیں۔ کیونکہ جب یہ کتب لکھی اور مدون کی گئیں اس وقت کاغذ کے نوٹوں کو بطور کرنسی کے استعمال کرنے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ یہ ایجاد بعد کی ہے۔

سائنس نے لکھا ہے کہ جدید کرنسی نوٹ کی اولین شکل قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں سنار کی دکانوں کی پشت پناہی میں آئی۔ اس زمانے میں سنار دو فرائض سرانجام دیتا تھا۔ ایک تو اس کے پیشے کی عام مصروفیات تھیں دوسرا وہ کام جو وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اس نے سنبھال لیا تھا یہ تھا کہ دولت مند

تجار کے سونے کے ذخیروں کی بڑی مقدار کا امانتدار بن گیا تھا۔حقیقتاً یہی دولت مند تجار اس طرح سے غیر ارادی طور پر اپنے فریب کارانہ نظامِ زر کے لیے زمین ہموار کرنے کا موجب بنے یہ لوگ حفاظت کی خاطر اپنا سونا سنار کے حوالے کر کے بسا اوقات اس کو واپس لینے سے پرہیز کرتے تھے اور اپنی سہولت کی خاطر آپس کے لین دین میں ترجیحاً سنار کی رسیدوں کو بطور زرِ مبادلہ استعمال کرنے لگے ۔ جب یہ طریق کار عام دستور بن گیا تو لالچی سناروں نے اس سے پورا عیارانہ فائدہ اٹھایا۔چنانچہ تجار کے طلائی سرمایہ کے ان امانت داروں نے آسانی سے حصولِ دولت کے لالچ میں یہ چالاک اور شرمناک طریقہ ایجاد اور مصنوعی کرنسی کی بنیاد رکھی ۔ آغاز میں بددیانت سناروں نے اس کو بطور امانت رکھے ہوئے سونے کی پشت پناہی میں قرضوں کی شکل میں خود اپنی رسیدوں کو پھیلانا شروع کیا۔ اِن نوٹوں یا رسیدوں کی ضمانت پر جو سونا اُن کے پاس ہوتا تھا ان میں سے کچھ تو ان کا اپنا ہوتا لیکن زیادہ تر تجار کی رکھی ہوئی امانت ہوتا تھا۔ بعدازاں برائے نام سونے کی مقدار پر وہ اپنی رسیدیں یا نوٹ جاری کر دیتے تھے۔ اکثر اوقات یہ سنار کے پاس موجود سونے سے دس فیصد سے زیادہ نہ ہوتا ۔ یعنی موجود سونے سے دس گنا زیادہ مالیت کی رسیدیں جاری کر کے اس کو پورا ہضم کرنے لگے حالانکہ ان رسیدوں کی ضمانت کے طور پر جو بھی تھوڑا بہت سونا تھا خود ان کا اپنا نہ تھا۔ کرنسی نوٹ دراصل ایک مقررہ مقدار میں قیمتی دھات یعنی سونا کی نمائندگی کرتا تھا جو آغاز میں سنار کی تجوریوں میں اور پھر اس بینک کے تہہ خانوں میں جو ان نوٹوں کو جاری کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا، محفوظ ہوتا رہا۔ درحقیقت پہلی جنگِ عظیم کے بعد کئی سالوں تک اس فریب کو کہ کرنسی نوٹ کسی بھی وقت سونے میں تبدیل کروائے جا سکتے ہیں کافی حد تک کامیابی سے ملکوں میں اسی طرح برقرار رکھا گیا کہ کوئی بھی نوٹ کا حامل مطالبہ کر کے نوٹ پر لکھی ہوئی مقدار کے برابر فوراً سونا لے سکتا تھا۔ ایسی ادائیگی دراصل وہ صدیوں پرانا تصور تھا جو یورپ میں قرونِ وسطیٰ سے رائج تھا کہ ان رسیدوں اور نوٹوں کے حاملین میں سے بہت کم اپنے سونے کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ صورت حال انگلستان اور میکسیکو میں ۱۹۳۱ء تک، امریکہ میں ۱۹۳۳ء تک اور سوئٹزرلینڈ میں ۱۹۳۶ء تک قائم رہی۔[۹]

اب کاغذ کے یہ کرنسی نوٹ تبادلہ اور تعامل کا عام ذریعہ بن چکے ہیں۔ آج کل یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ان نوٹوں کے برابر نوٹ جاری کرنے والے بینکوں میں سونا یا کوئی اور قیمتی دھات محفوظ رکھی جائے۔ حکومتیں اکثر ایسے نوٹ جاری کرتی رہتی ہیں جن کے بالمقابل کوئی سونا نہیں رکھا جاتا۔ اب عملی صورت یہ ہو گئی

ہے کہ بینک بھی ان نوٹوں کے بدلے میں سونا ادا کرنے کے پابند نہیں رہے ہے۔
بہر حال کاغذ کے کرنسی نوٹ آج کل مال بن چکے ہیں لہٰذا ان پر بھی از روئے قیاس زکوٰۃ فرض ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے گھوڑوں پر زکوٰۃ فرض نہیں تھی لیکن جب حضرت عمرؓ کے عہد میں گھوڑوں کی قیمتیں بڑھ گئیں تو حضرت عمرؓ نے ان گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ عائد کر دی۔ یعلی بن امیہ کے بھائی نے ایک یمنی سے ایک سو اونٹنیوں کے بدلے ایک گھوڑی خریدی لیکن بعد میں یمنی کو اس فروخت پر پچھتاوا ہوا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ یعلی اور اس کے بھائی نے اس کی گھوڑی غصب کر لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یعلی کو بلوایا انہوں نے حضرت عمرؓ کو صحیح صورت حال بتائی۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر فرمایا اچھا تمہارے ہاں گھوڑے اس قدر قیمتی ہیں۔ میرا یہ خیال نہیں تھا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم چالیس بکریوں پر ایک بکری زکوٰۃ لیں مگر گھوڑوں پر کوئی زکوٰۃ نہ لیں۔ اس کے بعد آپ نے فی گھوڑا ایک دینار زکوٰۃ مقرر فرما دی۔[۱۰]

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی مختلف بینک، ڈاکخانے اور دوہ مالی ادارے کرتے ہیں جن کی تفصیل شیڈول نمبر ا کے چھٹے کالم میں دی گئی ہے۔ ہر بینک، ڈاکخانہ اور مالی ادارے کا دفتر زکوٰۃ کی کٹوتی کی ایجنسی کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔[۱۱]

ذیل میں زکوٰۃ کی کٹوتی کے قانون اور طریق کار میں شرعی و فقہی پہلو سے بعض خامیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے جنہیں جلد از جلد دور کرنے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ آرڈیننس کی کوئی دفعہ یا اس کے تحت کیئے گئے کام یا اٹھائے گئے کسی اقدام کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کوئی عدالت اس آرڈیننس کے تحت اٹھائے گئے کسی اقدام کے خلاف کوئی فیصلہ یا حکم سنا سکتی ہے۔[۱۲] حکومتِ پاکستان سے گذارش ہے کہ آرڈیننس اور اس کے نفاذ کے طریقِ کار میں موجود نقائص کو دور کرنے کے لیے جلد مناسب آئینی اقدامات کیئے جائیں تاکہ اسلامیانِ پاکستان کو یہ اطمینان ہو کہ بنکوں، ڈاکخانوں اور دیگر مالی اداروں میں موجود ان کے اثاثوں سے جو زکوٰۃ وضع کی جاتی ہے وہ شرعی اعتبار سے درست ہے۔

زکوٰۃ آرڈیننس اور کٹوتی کے طریقِ کار میں مندرجہ ذیل قابلِ اصلاح پہلو ہیں۔

اوّل ؛

چاندی کے نصاب کو معیار بنانا | آرڈیننس کے تحت زکوٰۃ کی کٹوتی کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار بنایا گیا ہے جس کی مالیت کے برابر رقم پر زکوٰۃ کی لازمی

کٹوتی کرلی جاتی ہے ۔ چاندی کا نصاب ۶۱۲٫۳۲ گرام اور سونے کا نصاب ۸۷٫۴۸ گرام مقرر کیا گیا ہے جو رقم ۶۱۲٫۳۲ گرام چاندی کی مالیت کے برابر یا زیادہ ہوگی اس میں سے زکوٰۃ کاٹی جائے گی ۔ آرڈیننس میں "نصاب" کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے ۔

["'Nisasab, in relation to assets liable to Zakat, except agricultural produce and animals fed free in pastures, means 612.32 grams of silver, or cash or gold, or goods for trad or any assets liable to Zakat under Shariah, the aggregate value of which is equal to the value of 612.32 grams of silver, as notified by the Administrator - General for each Zakat year or, in the case of a person whose assets liable to Zakat consist of gold, 87.48 grams of gold;] (13)

چاندی کا شرعی نصاب پانچ اوقیہ ہے ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لیس فیما دون خمس اواق صدقة [14]

پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے [15] اس طرح چاندی کے بنے ہوئے دوسو درہم پانچ اوقیہ کے برابر ہوئے ۔ دوسو درہم کو آرڈیننس میں ۶۱۲٫۳۲ گرام وزن کے مساوی قرار دیا گیا ہے بیکم رمضان ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴ء کو ۶۱۲٫۳۲ گرام چاندی کو مدنظر رکھتے ہوئے نصاب کی رقم ۳۵۰۰ روپے مقرر کی گئی تھی [16] جس اکاونٹ میں ۳۵۰۰ روپے یا اس سے زیادہ مالیت کے اثاثے ظاہر تھے اس میں سے اڑھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ کاٹ لی گئی تھی ۔

وہ اشیاء جن پر زکوٰۃ کی فرضیت کا واضح حکم نہیں ملتا لیکن وہ آج مال بن چکی ہیں ۔ ان پر از روئے قیاس زکوٰۃ فرض ہونی چاہیے کیونکہ قرآن میں اموال سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم ہے ۔

سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

خذ من اموالھم صدقۃ [1]

(اے نبی) ان کے اموال سے صدقہ وصول کرو۔

ایسی اشیاء کی ایک مثال کاغذ کے کرنسی نوٹ ہیں۔ لیکن کرنسی نوٹوں کا نصاب زکوٰۃ طے کرنے کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار بنانا آج کل مناسب نہیں رہا۔ دیگر قابلِ ذکر اجناس کے مقابلے میں چاندی کی بازاری قدر بہت گر چکی ہے۔ چاندی بلحاظ جنس قابلِ زکوٰۃ ہے اور اس کا نصاب پانچ اوقیہ یا دوسو درہم یا ۶۱۲،۳۲ گرام وزن ہی رہے گا خواہ اس کی قدر قیمت کتنی ہی کم ہو جائے۔ اُونٹ، گائے اور بکری کی طرح بطور جنس چاندی کا نصاب ناقابلِ ترمیم ہے اس لیے کہ ان قابلِ زکوٰۃ اشیاء کے نصاب کی مقدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادات کی مقداروں میں اجتہاد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ شارع کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں۔ لیکن چاندی کے نصاب کو معیار بنا کر 'مال' کی تعریف میں آنے والی دیگر غیر منصوص اشیاء کا نصاب طے کرنا آج کل درست نہیں ہے جس کی مندرجہ ذیل تین وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ موجودہ دور کے برعکس عہدِ رسالت و مابعد میں چاندی کے درہم غالب کرنسی کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ زیادہ تر لین دین درہموں میں ہوتا تھا اور چاندی بازاری قدر زیادہ تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کا مہر درہموں میں ادا کیا تھا۔ مثلاً حضرت عائشہؓ کا مہر چار سو درہم [1] حضرت سودہؓ کا مہر بھی چار سو درہم تھا [19] حضرت ابو سلمہؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مہر کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا :

کان صداقہ فی ازواجہ اثنتی عشرۃ اوقیۃ ونشًّا ھل تدری ما النُّشّ ھو نصف اوقیۃ۔ وذلک خمس مائۃ درھم [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مہر بارہ اوقیہ چاندی اور ایک نُشّ تھا۔ تم جانتے ہو کہ نُشّ کیا ہے وہ آدھا اوقیہ ہے اور یہ پانچ سو درہم ہوئے البتہ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار سو دینار مقرر ہوا تھا [1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کا اونٹ ایک اوقیہ چاندی کے عوض خریدا

تھا (یعنی چالیس درہم کی مالیت میں) حضرت بلال رضؓ نے چاندی تول کر دی تھی[22]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اُسید کو جو فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے تھے، مکہ کا گورنر مقرر کیا تو انکی تنخواہ تیس درہم ماہانہ مقرر ہوئی[23] رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی کھجوریں درہم کے عوض فروخت کرنیکا حکم دیا[24] حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہؓ کیساتھ شادی کے اخراجات پورے کرنیکے لیے اپنی زرہ بیچ دی تھی جسے حضرت عثمان رضؓ نے چار سو اسی درہم میں خرید ا تھا[25]

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں چاندی کی بازاری قدر اتنی زیادہ تھی کہ لین دین اور اشیاء کی قیمت کے تعین میں چاندی استعمال ہوتی تھی۔ آج کل چاندی یہ قدر کھو چکی ہے اور سونے نے یہ مقام حاصل کر لیا ہے۔

دوسری وجہ عہد رسالت میں چاندی کا نصاب زکوٰۃ یعنی پانچ اوقیہ یا دوسو درہم قدر و قیمت کے اعتبار سے دیگر قابلِ زکوٰۃ جنسوں مثلاً اونٹ، بکری وغیرہ کے نصاب کے ہم پلہ تھا۔

۱ ۔ اونٹوں کا نصابِ زکوٰۃ پانچ اونٹ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دوسو درہم کے عوض پانچ اونٹ خریدے جا سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کا اونٹ ایک اوقیہ چاندی میں خریدا تھا[26] ایک اوقیہ چاندی کے چالیس درہم ہوتے ہیں[27] اس زمانے میں اگر ایک اونٹ کی قیمت چالیس درہم ہو تو دوسو درہم پانچ اونٹوں کی قیمت ہوگی۔ گویا چاندی اور اونٹوں کا نصاب بازاری قیمت کے لحاظ سے مساوی تھا۔

۲ ۔ بکریوں کا نصابِ زکوٰۃ چالیس بکریاں ہیں۔

نبوی دور میں ایک بکری کی قیمت دس درہم تھی۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے:

"ان ابا بکر کتب له التی امر الله و رسوله و من بلغت صد قته بنت مخاض فلیست عنده و عنده بنت لبون فانها تقبل منه ویعطیه المصدق عشرین درهما أو شاتین فإن لم یکن عنده بنت مخاض علی وجهها و عنده ابن لبون فإنه یقبل منه ولیس معه بشیء"

حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کو وہ لکھ بھیجا جو اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہے۔ اس میں یہ بھی تھا کہ جس شخص پر بنتِ مخاض (ایک سال کی اونٹنی) واجب ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ اس کے پاس بنتِ لبون (دو سال کی اونٹنی) ہو تو وہ اس سے لی جائے گی اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے گا اور اگر اس کے پاس اس قیمت کی

بنتِ مخاض نہ ہو بلکہ ابنِ لبون ہو تو وہ اس سے لے لیا جائے گا اور اس کے بدلے میں کچھ نہیں دیا جائے گا۔[۲۸]

مندرجہ بالا روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں دو بکریاں بیس درہم کے مساوی تھیں۔ ایک بکری کی قیمت دس درہم تھی۔ یوں دو سو درہم بیس بکریوں مساوی ہوئے۔ اس طرح چاندی کا نصاب بکریوں کے نصاب کا نصف تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق ایک بکری کی قیمت پانچ درہم تھی[۲۹] اس اعتبار سے چالیس بکریوں کی قیمت دو سو درہم بنی یوں چاندی اور بکریوں کے نصاب مالیت کے لحاظ سے برابر تھے۔

۳۔ کھجور یا غلّہ کا نصاب پانچ وسق ہے۔

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے[۳۰] اور ایک صاع ایک کنبہ کی خوراک کے لیے کافی ہوتا ہے[۳۱]۔ ایک وسق وہ بوجھ ہے جسے عادتاً ایک اونٹ اٹھا سکتا ہو[۳۲] گویا کھجور یا غلّہ کا نصابِ زکوٰۃ اتنا وزن ہے جسے پانچ اونٹ اٹھا سکیں ایک وسق غلّہ کی قیمت عہد رسالت میں چالیس درہم یا چار مثقال تھی یعنی پانچ اوقیہ۔ اس لحاظ سے پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم یا بیس مثقال بنتی ہے[۳۳] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلّہ کا نصابِ زکوٰۃ اور چاندی کا نصابِ زکوٰۃ آپس میں مساوی تھے۔

۴۔ گائیوں کا نصاب تیس گائے ہے۔

گائے مدینہ میں عام نہیں تھی۔ اسی لیے گائے پر زکوٰۃ کی فرضیت کے احکامات اس وقت سامنے آئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ یمن میں گائے بکثرت پائی جاتی تھی۔ حضورؐ نے حضرت معاذ بن جبل کو بحیثیت گورنر جو ہدایات دیں ان میں گائے پر زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی شامل تھا۔ اُس زمانے میں یمنی گائے کی کیا قیمت تھی اس بارے میں کوئی ثبوت یا شہادت نہیں مل سکی۔ لیکن اونٹ، بکری اور غلّہ وغیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ دیگر قابلِ زکوٰۃ جنسوں کی طرح گائے کا نصاب بھی قدر و قیمت کے اعتبار سے چاندی کے نصاب کے برابر ہے، ہوگا۔

۵۔ سونے کی زکوٰۃ کا نصاب بیس دینار ہے۔

سونے پر زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی[۳۴] عہد رسالت میں سونے پر

زکوٰۃ شائد اس لیے نہ فرض کی گئی کہ اس کی بازاری قدر زیادہ نہ تھی ۔ بعد میں فقہاء نے چاندی پر قیاس کرتے ہوئے سونے پر بھی زکوٰۃ عائد کر دی ۔ یہ فقہاء کے اجماع سے ثابت ہے ۔

امام شافعیؒ کا قول ہے :

ففرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الورقۃ صدقۃ واخذ المسلمون بعدہ فی الذہب صدقۃ إما بخبر لم یبلغنا واما قیاسا[۳۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی پر زکوٰۃ فرض کی تھی ۔ آپ کے بعد مسلمانوں نے سونے پر بھی زکوٰۃ عائد کر دی اس بنا پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں کوئی حکم تھا لیکن ہم تک نہیں پہنچا ۔ یا قیاس کی بنا پر (کہ سونا اور چاندی دونوں میں لوگ لین دین کرتے ہیں اور دونوں کو جمع کرتے ہیں)

سونے کے دینار پر زکوٰۃ کا ذکر حضرت علیؓ سے منسوب ایک روایت میں ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بیس دینار پر نصف دینار زکوٰۃ فرض ہے[۳۶]

اکثر فقہاء کے نزدیک اس روایت پر عمل کرنا واجب نہیں کیونکہ حسن بن عمارۃ اس روایت میں اکیلے ہیں[۳۷] اس کے علاوہ اس روایت کا ایک راوی الحارث کذاب ہے[۳۸]

ایک اور روایت زہری کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب کی اولاد کے پاس زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا ایک نسخہ تھا جس میں یہ لکھا تھا کہ ہر چالیس دینار پر ایک دینار زکوٰۃ واجب ہو گی[۳۹]

زہری کی یہ حدیث مرسل جس کی تعریف یہ ہے کہ کوئی تابعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور صحابی کا نام نہ لے مرسل کی حجیت میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے بعض اسے حجت قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے[۴۰] جبکہ ابن حزم اسے صرف زہری کا کلام قرار دیتے ہیں[۴۱] یہ حدیث نہیں ہے ۔

مالک نے سونے پر زکوٰۃ کی فرضیت میں عملِ صحابہ کو اساس بنایا ہے اور فرمایا کہ اس سنت میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بیس دینار اور دو سو درہم چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے[۴۲] ابوحنیفہؒ، مالکؒ شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک سونے کا نصاب بیس دینار ہیں[۴۳] جبکہ الحسن، ابوالحسن البصری اور داؤد بن علی

وغیرہ کی رائے میں سونے کا نصاب چالیس دینار پر ایک دینار ہے[۴۴]۔

بہرحال جمہور فقہاء کے نزدیک سونے کا نصاب بیس دینار پر ایک دینار واجب ہے۔ کیونکہ عہد رسالت میں دس درہم کے برابر ایک دینار تھا[۴۵] اس حساب سے چاندی کے دو سو درہم کے برابر بیس دینار ہوئے۔ موجودہ اوزان میں بیس دینار ۸۴ء۸۷ گرام سونا کے برابر ہیں۔ آرڈیننس مذکورہ میں سونے کا نصاب ۸۴ء۸۷ گرام ہے[۴۶]۔ فقہاء نے سونے کو چاندی پر قیاس کیا ہے اور نصاب کے تعیین میں بازاری قدر کو مدنظر رکھا ہوگا۔ اس زمانے میں جو قدر و قیمت دو سو درہم کی ہوگی وہی قدر و قیمت بیس دینار کی ہوگی اس لیے کہ یہی مناسبت اس عہد کی چاندی اور اونٹ، بکری اور غلہ وغیرہ کے نصابوں میں نظر آتی ہے۔ لہٰذا کرنسی کے نصاب زکوٰۃ کا تعین کرتے وقت آج بھی اس مناسبت کا خیال رکھنا چاہیے۔

تیسری وجہ عہد رسالت میں چاندی کے نصاب کا مالک غنی کہلاتا تھا دو سو درہم اچھی خاصی رقم ہوا کرتی تھی۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے گورنر حضرت عتاب بن اسیدؓ کی تنخواہ تیس درہم مقرر کی تھی اور اس تنخواہ میں گورنر، ان کی بیوی، ان کے بچے اور ان کے گھر کے ملازم وغیرہ سب گزارہ کرتے تھے[۴۷]۔ حضرت عتاب بن اسیدؓ کی تنخواہ کے زاویہ سے دیکھا جائے تو چاندی کے نصاب کے دو سو درہم مکہ شہر کے گورنر (موجودہ زمانہ میں شہر کا ڈپٹی کمشنر) کی ساڑھے چھ ماہ کی تنخواہوں کے برابر رقم بنتی ہے۔ آج کل ڈپٹی کمشنر کی بنیادی تنخواہ چاندی کے نصاب زکوٰۃ کی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں کہ پانچ اوقیہ چاندی پر زکوٰۃ اس لیے فرض کی گئی تھی کہ اتنے وزن چاندی کی مالیت ایک چھوٹے کنبے کے ایک سال کے خرچ کے لیے کافی ہے[۴۸]۔ جبکہ موجودہ دور میں ۶۱۲.۶۳۲ گرام چاندی جس کی مالیت یکم رمضان ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء میں ساڑھے تین ہزار روپے مقرر کی گئی ہے، اتنی رقم میں ایک چھوٹا کنبہ بمشکل ایک ڈیڑھ ماہ گذارہ کر سکتا ہے۔

لہٰذا کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کا نصاب طے کرنے کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار بنانا درست نہیں۔ بلحاظ جنس چاندی کا نصاب تو وہی رہے گا جو شارع علیہ السلام نے مقرر کر دیا ہے۔ لیکن وہ غیر منصوص اشیاء جو لفظ 'مال' کی تعریف میں آجائیں ان کی زکوٰۃ کا نصاب طے کرتے ہوئے اس امر کا لحاظ رکھا جانا چاہیے کہ وہ دیگر منصوص قابلِ زکوٰۃ اشیاء کے نصابوں کا ہم پلہ ہو اور اس کا مالک اپنے معاشرے میں غنی کہلاتا ہو آج کل ساڑھے تین ہزار سالانہ بچت والا شخص غنی کی تعریف میں نہیں آتا۔ حکومت پاکستان نے بھی ایک

شخص کی سالانہ آمدنی پر چالیس ہزار روپے کی چھوٹ دے رکھی ہے اس سے زائد آمدنی پر انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب چھوٹ کی اس رقم میں اضافہ کا مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے۔ انکم ٹیکس میں چھوٹ کی یہ حد آج کل کے ایک عام فرد کی اقتصادی حالت کو ظاہر کرتی ہے۔ زکوٰۃ معاشرے کے اغنیاء سے وصول کر کے غریب لوگوں کو لوٹا دی جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن الله قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم [49]

اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء یعنی مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔

ساڑھے تین ہزار روپے سالانہ بچت والا شخص ان دنوں غنی تو کیا متوسط طبقے میں بھی شمار نہیں ہوتا۔ شریعت کے اس منشا کو پورا کرنے کے لیے کہ زکوٰۃ غنی لوگوں سے لی جائے، یہ ضروری ہے کہ کرنسی نوٹوں کے نصاب کو چاندی کے نصاب پر قیاس نہ کیا جائے بلکہ سونے کو معیار بنایا جائے۔ آج کل (۵۔ اکتوبر ۱۹۹۴) سونے کا بھاؤ چار ہزار روپیہ فی دس گرام ہے[50]۔ ۸۷٫۴۸ گرام سونے کی مالیت تقریباً پینتیس ہزار (۳۵،۰۰۰) روپیہ بنتی ہے۔ ساڑھے تین ہزار کے مقابلے میں پینتیس ہزار روپے کا مالک یقیناً غنی ہوگا۔ یہ طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے کہ تمام قابلِ زکوٰۃ منصوص اشیاء یعنی اونٹ، بکری، گائے، سونا اور چاندی میں سے ہر ایک کے نصاب کی جو مالیت حاضر زمانے میں بنے ان سب کا اوسط نکال لیا جائے اور اس اوسط کو معیار بنا کر کرنسی نوٹوں کے نصابِ زکوٰۃ کو طے کیا جائے۔

کاغذ کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کے بارے میں ہماری فقہی کتب میں کوئی بحث نہیں ملتی۔ اس لیے کہ جس زمانے میں یہ کتب لکھی اور مدون کی گئیں تھیں اس وقت کاغذ کی کرنسی رائج نہیں تھی یہ نوٹ بہت بعد میں قابلِ منفعت مال بنے ہیں۔ البتہ سامانِ تجارت کے نصابِ زکوٰۃ کو متعین کرنے کے بارے میں فقہاء کی آراء ملتی ہیں کہ سامانِ تجارت کو درہم پر قیاس کیا جائے یا دینار پر یا کسی تیسری چیز پر۔ کرنسی نوٹوں کے نصاب زکوٰۃ کو طے کرنے میں ان آراء سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ سامانِ تجارت کی قیمت کا اندازہ کرتے وقت درہم یا دینار میں سے

اس چیز پر قیاس کیا جائے گا جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو[51] کیونکہ صاحبِ مال نے سال بھر اپنے مال سے پورا فائدہ اٹھایا اب فقراء کی منفعت کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور اسی میں احتیاط بھی زیادہ ہے۔

۲۔ ابو یوسف کے نزدیک سامان تجارت درہم یا دینار میں سے جس کے بدلے میں خریدا گیا ہو اسی کے مطابق قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا اور اگر کسی تیسری چیز سے سامانِ تجارت خریدا تو پھر قیمت کا اندازہ اس چیز سے لگایا جائے گا جس کا شہر میں بطور کرنسی استعمال زیادہ ہو[52] اس لیے کہ معتبر چیز وہی ہے جسے خریداری کے وقت بطور مبادلہ استعمال کیا گیا۔

۳۔ محمد کہتے ہیں کہ قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے ہر حالت میں اُس چیز کو معیار بنایا جائے جس کا شہر میں بطور کرنسی استعمال زیادہ ہوتا ہو[53] یہی رائے شافعیؒ کی ہے[54]

۴۔ ابو اسحاق المروزی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ صاحبِ مال کو اختیار حاصل ہے کہ وہ درہم و دینار میں سے جس کو چاہے اشیاء کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے معیار بنائے[55]

مندرجہ بالا چاروں آراء میں سے محمد کی رائے راجح اور ہر زمانے کے اقتصادی تقاضوں پر پوری اتر سکتی ہے۔ شافعیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور ابو یوسف نے بھی ایک صورت میں اسی موقف کو اپنایا ہے۔ اس رائے کے مطابق کاغذ کے کرنسی نوٹ اور دیگر اشیاء کے نصابِ زکوٰۃ کو طے کرتے وقت سونے کے نصاب کو معیار بنانا چاہیے اس لیے کہ آج کل سونا چیزوں کی قدر طے کرتا ہے اور مبادلہ کے طور پر کام آتا ہے۔ اقتصادی منڈی میں چاندی کو یہ صلاحیت حاصل نہیں ہے۔ چاندی کو معیار بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کا بوجھ معاشرے کے عام افراد پر ڈال دیا گیا ہے جو کہ کم آمدنی والے ہوتے ہیں۔ معاشرے میں دولت مند طبقہ کی تعداد کم ہوتی ہے اور کم آمدنی والے اور متوسط طبقہ کے لوگ زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں زکوٰۃ سے شریعت کا مقصد لوگوں کو غریب بنانا نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خیر الصدقة ما کان علی ظهر غنی[56]

صدقہ وہ بہتر ہے جس کے دینے کے بعد آدمی مالدار رہے۔

فقراء کی منفعت صرف اس چیز میں نہیں ہے کہ نصاب کم ہو۔ ان کا فائدہ اس بات میں ہے کہ زکوٰۃ کے پورے نظام کو اس کی تمام تر جزئیات اور اصل روح کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ لوگوں میں

زکوٰۃ ادا کرنے کی رغبت ہو۔ انہیں یہ شعور ہو کہ اس سے ان کا مال پاک ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ فقراء کا فائدہ اس میں ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی اور مستحقین میں اس کی تقسیم کا نظام درست ہو۔ مستحق افراد کو زکوٰۃ ان کے گھر کی دہلیز پر ملے۔ ضرورت مند لوگوں کو زکوٰۃ حاصل کرنے کے لیے دفتروں کے طواف نہ کرنے پڑیں۔ ان کی منفعت اس میں ہے کہ ان کی عزتِ نفس کو مجروح نہ کیا جائے۔

دوم:

مال پر سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ کی کٹوتی

زکوٰۃ کی کٹوتی کے طریق کار میں ایک نقص یہ ہے کہ ہر سال یکم رمضان کو جب زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے تو اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ کھاتے میں ظاہر اثاثے پر ایک سال کی مدت گزری ہے یا نہیں۔ کسی مال کے واجبِ زکوٰۃ ہونے کے لیے اس شرط کا پورا ہونا ضروری ہے کہ اس پر ایک سال گزر جائے اور اس دوران وہ زیرِ استعمال نہ آیا ہو۔ ہر سال ایسے واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ کسی صاحب کی چند روز قبل جمع کرائی گئی رقم پر یکم رمضان کو زکوٰۃ کاٹ لی گئی حالانکہ وہ رقم نہ صرف چند روز قبل اکاؤنٹ میں جمع ہوئی تھی بلکہ ان صاحب کی ملکیت میں بھی وہ رقم چند روز قبل ہی آئی تھی۔

بعض سادہ مسلمان یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر بینکوں میں موجود رقم پر سال گزرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ کی کٹوتی کے بعض واقعات ہو جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ یہ زکوٰۃ کی رقم نیکی کے کاموں میں ہی استعمال ہوگی۔ ایسی رائے کا فقہ و قانون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے نام سے کاٹی گئی یہ رقم صدقہ و خیرات میں شمار ہو سکتی ہے مگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادت اسی طرح ادا کرنا ہوگی جیسے اسے ادا کرنے کے تقاضے اور شرائط ہیں۔

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تعاملِ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے اقوال کی روشنی میں فقہائے کرام نے کسی مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے اس پر ایک سال کی مدت گزرنے کو شرط قرار دیا ہے۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں اس شرط کے خلاف صرف حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی آراء ملتی ہیں۔ ان دونوں کے نزدیک سال گزرنے کی شرط کسی مال کے واجبِ زکوٰۃ ہونے کیلئے ضروری نہیں[۵۱]۔

ا۔ حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے:

ان العباس سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تعجیل صدقتہ قبل

أن تحل فرخص له فى ذلك[۵۸]

حضرت عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زکوٰۃ اس کا وقت آنے سے پہلے یعنی سال گزرنے سے پہلے دینے کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

۲۔ حضرت علیؓ کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ ہم نے عباس کی زکوٰۃ ایک سال پیشگی لے لی ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں :

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعمر "إنا قد اخذنا زكوٰة العباس عام الاول للعام" وفی لفظ قال "إنا كنّا تعجلنا صدقة العباس لعامنا هذا عام اول[۵۹]"

۳۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے :

"..... تزكيه يوم يستفيده[۶۰]"

وہ اس وقت زکوٰۃ ادا کرے گا جب اسے مال حاصل ہو۔

۴۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں بھی یہ روایت کیا جاتا ہے کہ وہ کسی مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے سال گزرنے کو شرط قرار نہیں دیتے تھے۔ ان کے نزدیک جس روز کوئی مال نصاب زکوٰۃ کو پورا کرے اسی روز اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اس نصاب پر سال گزر جائے تو اس پر دوسری مرتبہ زکوٰۃ پھر واجب ہو جائے گی[۶۱]

حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ الصادق، الباقر، الہادی، القاسم اور داود کے ہاں بھی سال کی شرط نہیں ہے جب بھی نصاب پورا ہو جائے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی[۶۲]

۵۔ ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ، سعید بن جبیرؒ، زہریؒ، الحسنؒ، اوزاعیؒ، اسحاق، ابن شہابؒ، ابویوسفؒ ابراہیمؒ، ضحاکؒ کے نزدیک سال گزرے بغیر محض نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ کو واجب قرار نہیں دیتے بلکہ یہ سب اسے جائز قرار دیتے ہیں[۶۳] ان کے نزدیک جب ایک مال نصاب زکوٰۃ کو پورا کرتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کا سبب پیدا ہو گیا۔ نصاب کا پورا ہونا واجب زکوٰۃ کا سبب ہے اور جب وجوب زکوٰۃ کا سبب پیدا ہو جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل جائز ہے۔

سال گزرنے سے قبل ادائیگی زکوٰۃ کو جائز قرار دینے والوں کی ایک دلیل یہ آیت قرآنی ہے :

۶ ۔ وسارعوا إلى مغفرة من ربكم [۶۴]

دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے ربّ کی بخشش کی طرف جاتی ہے۔

۷ ۔ ایک عقلی دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جس طرح قرض کی ادائیگی اس کی مدت پوری ہونے سے قبل جائز ہے اسی طرح نصاب پورا ہونے پر مال کی زکوٰۃ سال گزرنے سے قبل ادا کرنا جائز ہے۔

یہ تھے چند اہم آثار و آراء جو تعجیلِ زکوٰۃ کے حق میں بطور دلائل دیے جاتے ہیں ذیل میں ان دلائل کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

۱ ۔ جہاں تک حضرت علیؓ کی اس روایت کا تعلق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ بعض کے نزدیک یہ روایت مرسل حدیث کے درجے میں داخل ہے [۶۵] یعنی تابعی نے صحابی کا نام لیے بغیر اس کو حضور صلی اللہ وسلم سے روایت کیا ہے مرسل کو حجت قرار دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مرسل حدیث کا حکم یہ ہے کہ یہ ضعیف مردود ہے۔ ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور احمدؒ اس شرط پر مرسل کو قبول کرتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہوں۔ اسی طرح شافعیؒ نے بھی اسے بعض شرائط کے تحت قبول کیا ہے [۶۶]

۲ ۔ حضرت علیؓ کی دوسری روایت جس میں یہ آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے عباس سے پیشگی زکوٰۃ وصول کر لی تھی۔ یہ روایت منقطع ہے [۶۷] منقطع حدیث وہ ہوتی ہے جس کی اسناد کسی بھی انقطاع کی وجہ سے متصل نہ ہو۔ محذوف راویوں کے حالات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے منقطع حدیث کا حکم یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے [۶۸] جمہور علماء کے نزدیک بعض شرائط کے تحت ہی ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے [۶۹] واجب نہیں ہے۔

حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ کی تعجیل کے واقعہ کے بارے میں شافعیؒ کہتے ہیں :

قد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندری أیثبت أم لا؟ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلف صدقة مال العباس قبل أن تحل [۷۰]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ یہ ثابت ہے یا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس کے مال سے سال پورا ہونے سے قبل زکوٰۃ لے

لی تھی ۔

۳ ۔حضرت ابن عباسؓ کے قول "تزکیہ یوم یستفید " (یعنی وہ اس وقت زکوٰۃ ادا کرے گا جب اسے مال حاصل ہو) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ابو عبید کہتے ہیں :

... لانه خارج عن قول الأئمة ولكنى اراه اراد زكوٰة ما يخرج الارض - فإن اهل المدينة يسمون الارضين اموالا فلا نعلم فى السنة مالاً يجب فيه الصدقة حين يملكه ربه سوى ما تخرج الارض فإن لم يكن ابن عباس - رحمه الله - اراد هذا فلا ادرى ما وجه حديثه [۱]

ان کا یہ قول کسی عالم کے قول سے نہیں ملتا بلکہ سب سے الگ ہٹا ہوا ہے ۔میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس قول سے زمین کی پیداوار مراد لی ہوگی ۔اس لیے بھی کہ اہل مدینہ زمینوں کو بھی اموال کہہ دیتے ہیں نیز اس لیے بھی کہ ہمیں سنّت میں زرعی پیداوار کے علاوہ کوئی ایسا مال نہیں ملتا جس پر مالک کو ملکیت میں آتے ہی زکوٰۃ دینا پڑے ۔اگر ابن عباسؓ کے اس قول سے یہی مراد نہ لی جائے تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ ان کی اس روایت کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے ۔

۴ ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے پر بھی وہی تبصرہ کیا جاسکتا ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے پر ابو عبیدؒ نے کیا ہے ۔حضرت ابن مسعودؓ کا ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے پر ہی ادا کی جائے گی [۲]

۵ ۔حضرت عباسؓ کے واقعہ سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت مانگی ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی ۔حضرت عباسؓ کا اجازت مانگنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد ہی واجب الادا تھی مگر انہوں نے قبل از وقت ادا کرنا چاہی اسی لیے طلب کی ۔اس واقعہ سے سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ ادا کرنے کا استثناء ثابت ہوتا ہے اس کا وجوب ثابت نہیں ہوتا ۔کسی کام کی اجازت کو حکم کا درجہ نہیں دیا جاتا ۔مزید یہ کہ اجازت اور رخصت

مخصوص حالات میں مخصوص افراد کے لیے ہوتی ہے جبکہ حکم کا اطلاق عموم پر ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص از خود حکومت کو اپنے مال کی زکوٰۃ سال گزرنے سے قبل ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کہ سرکاری سطح پر زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی کے دوران یہ لحاظ رکھے بغیر کہ کون سا نصاب سال گزرنے پر قابلِ زکوٰۃ ہے اور کس مال پر ابھی سال پورا نہیں ہوا، زکوٰۃ کاٹ لی جائے اور صاحب مال سے پوچھا ہی نہ جائے۔

۶۔ قرآن مجید کی آیت "وسارعوا إلى مغفرة من ربكم" (دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش کی طرف جاتی ہے) کی تشریح میں ابن حزم کا قول ہے کہ فرض کی ادائیگی میں جلدی کرنا اس فرض کے واجب ہونے کے بعد ہی لازم آتا ہے اس سے قبل نہیں۔[۴۳] مال پر زکوٰۃ فرض ہونے میں جہاں نصاب کا پورا ہونا ضروری ہے وہیں اس پر سال کا گزرنا بھی شرط ہے۔

اب اُن آثار و آراء کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے کسی مال کے قابل زکوٰۃ ہونے میں سال گزرنے کی شرط ثابت ہوتی ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولیس فی مال زکوٰة حتی یحول علیه الحول[۴۴]

اور کسی مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال نہ گزرے۔

۲۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا زکوٰة فی مال حتی یحول علیه الحول[۴۵]

مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال نہ گزرے۔

۳۔ عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من استفاد مالاً فلا زکوٰة علیه حتی یحول علیه الحول[۴۶]

جس نے مستفاد مال پایا اس پر زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال نہ گزرے۔

مال مستفاد سے مراد وہ مال ہے جو سال کے اندر خود بخود کسی شخص کی ملکیت میں آجائے جیسے ہبہ یا میراث سے۔ وہ مال سابقہ مال سے نہ کمایا ہو۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک قول کو نافع نے روایت کیا ہے:

لا تجب فی مال زکوٰۃ حتی یحول علیہ الحول[۴۷]

کسی مال پر سال گزرنے سے پہلے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۵۔ پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کسی شخص کے مال پر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ آپ کے پوتے قاسم بن محمد کا کہنا ہے:

أن ابا بکر بن الصدیق لم یأخذ من مال زکوٰۃ حتی یحول علیہ الحول[۴۸]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کسی مال میں سے زکوٰۃ نہ لیتے تھے جب تک اس پر سال نہ گزر جاتا۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے ہے:

من استفاد مالاً فلا زکوٰۃ فیہ حتی یحول علیہ الحول[۴۹]

جس نے کوئی مال حاصل کیا تو اس پر ایک سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

۷۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد حکومت میں یہ حکم جاری کیا تھا کہ کسی مال پر سال گزرنے سے پہلے اس میں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی[۵۰] قطن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں میرا واسط سے گزر ہوا تو وہاں کے لوگوں نے کہا ہمیں امیر المؤمنین کا خط پڑھ کر سنایا گیا۔

أن لا تاخذوا من ارباح التجار شیئاً حتی یحول علیہ الحول[۵۱]

تاجروں کے منافع سے اس وقت تک کچھ نہ لو جب تک اس پر پورا سال نہ گزرے۔

۸۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب کسی کے پاس شروع سال میں اتنی مقدار مالیت ہو جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے مثلاً دو سو درہم (چاندی)، بیس دینار (سونا)، پانچ اونٹ، تیس گائیں اور چالیس بکریاں بھیڑیں۔ تو ان اصناف میں سے کسی ایک کا شروع سال سے آخر تک مالک رہنے کی صورت میں تمام لوگوں کے قول کے مطابق اس مالک پر زکوٰۃ واجب ہو گئی ہے[۵۲]

اب ذیل میں ان آثار کا تجزیہ کیا جاتا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سال گزرنے کی شرط کے وجوب اور عدم وجوب کے دلائل میں سے کون صحت کے قریب ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کی روایت کی اسناد صحیح ہیں لیکن وہ حضرت علیؓ پر موقوف ہے[۸۳] بلوغ المرام میں ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے[۸۴] حسن اس حدیث کو کہتے ہیں جسکی اسناد میں کوئی راوی ایسا نہ ہو جس پر جھوٹ کا الزام ہو۔ اور یہ حدیث شاذ بھی نہ ہو راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کے مخالف روایت نہ کرے بلکہ کسی اور طریق سے بھی ایسی ہی روایت کی گئی ہو۔ حدیثِ حسن کا حکم یہ ہے کہ ایسی حدیث حجت تسلیم کی گئی ہے[۸۵] سنن ابی داود میں درج اس حدیث کی اسناد میں اگرچہ الحارث ضعیف ہے لیکن عاصم بن ضمرۃ ثقہ راوی ہے[۸۶]

۲۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کے بارے میں محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف صحیح ہے البتہ مرفوع ہونے میں حارثہ بن محمد ضعیف ہے اور عبد الرحمٰن بن یزید کثیر الغلط ہے[۸۷]

'المقنع' کے حاشیہ میں لکھا ہے:

لانعلم فیه خلافاً لقول عائشة: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا زكوٰة فى مال حتى يحول عليه الحول[۸۸]

حضرت عائشہؓ کے اس قول میں کسی اختلاف کو ہم نہیں جانتے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کسی مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال نہ گذر جائے۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث کی عدمِ صحت کے بارے میں کوئی بات میسّر کتب میں سے نہیں ملی۔

مذاہبِ اربعہ میں بھی مال کے قابلِ زکوٰۃ ہونیکے بعد اس پر سال کا گذرنا شرط ہے۔ البتہ اس کی بعض جزئیات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مذہب حنفی

احناف کے ہاں مال پر سال کا گذرنا شرط ہے[۸۹] محمدؒ کہتے ہیں کہ ہمارا عبد اللہ بن عمرؓ کے اس قول پر عمل ہے کہ مال پر زکوٰۃ واجب نہیں جب تک اس پر ایک سال نہ گذر جائے۔ یہی قول ابو حنیفہؒ کا ہے[۹۰]

امام ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور محمدؒ تینوں کے نزدیک سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اگر دورانِ سال مال نصابِ زکوٰۃ سے کم ہوگیا لیکن شروع سال اور اس کے آخر میں نصاب پورا رہا تو سال گذرنے کی شرط پوری ہوگئی اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

امام زفر نے ائمہ ثلاثہ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر دورانِ سال مال نصاب زکوٰۃ سے کم ہوگیا تو سال شمار کرنا ختم ہو جائے گا اور جب دوبارہ نصاب پورا ہوا تو از سرِ نو ایک سال گزرنا لازم ہوگا۔[۹۱] کیونکہ نصاب پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے اس پر ایک سال کا گزرنا شرط ہے۔ لہٰذا اگر دوران سال یہ نصاب کم ہو جائے تو پھر مکمل نصاب پر سال پورا نہیں گزرتا اور سال گزرنے کی شرط پوری نہیں ہوتی[۹۲]

جمہور احناف کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے نصاب کا پورا ہونا شرط ہے لہٰذا سال کے شروع اور آخر میں نصاب پورا ہونے کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ سال کا شروع سبب کے انعقاد کا وقت ہے اور سال کا آخر حکم کے ثبوت کا وقت ہے۔ جبکہ سال کے دوران کا وقت نہ تو سبب کے انعقاد کا ہے اور نہ ہی حکم کے ثبوت کا۔ لہٰذا سال کے دوران نصاب پورا ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا[۹۳]

یہاں زفر کی رائے زیادہ لائقِ ترجیح نظر آتی ہے۔ مال پر زکوٰۃ واجب ہونے میں سال گزرنے کی شرط کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب وہ مال نصاب کو پورا کر چکا ہو۔ اگر ایک مال کسی وقت نصاب سے کم ہو جاتا ہے تو وہ قابلِ زکوٰۃ نہیں رہتا اور اس پر زکوٰۃ کے احکامات بھی نافذ نہیں ہوں گے لیکن جیسے ہی کوئی مال نصاب کے مطابق ہوا، اس پر زکوٰۃ کے دیگر احکامات نافذ ہونا شروع ہو جائیں گے تب اس پر سال گزرنے کی شرط کا لحاظ بھی کیا جائے گا۔ جب نصاب پورا ہوا تو زکوٰۃ کا سبب پیدا ہوگیا اور جس وقت بھی مال نصاب سے کم ہوا تو وجوبِ زکوٰۃ کا سبب بھی ختم ہوگیا سبب ختم ہونے سے وجوب کا حکم بھی ختم ہوگیا۔ اس لیے کہ سبب کے وجود سے حکم موجود رہتا ہے اور اس کے معدوم ہونے سے وہ حکم بھی معدوم ہو جاتا ہے۔

سبب کی تعریف یہ ہے:

كل امر جعل الشارع وجوده علامة على وجود الحكم وعدمه علامة على عدمه[۹۴]

ہر وہ چیز جس کو شریعت نے کسی شرعی حکم کی علامت یعنی پہچان کا ذریعہ بنایا ہو۔ اس طرح اس چیز کے وجود کے ساتھ حکم موجود ہو اور اس کے معدوم ہونے کے ساتھ وہ حکم بھی معدوم ہو جائے۔

لہٰذا کسی چیز کے حکم کا انحصار اس کے سبب پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر دورانِ سال مال نصاب سے

کم ہو جائے تو سبب ختم ہو جائے گا اور جب سبب نہ رہا تو حکم کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ جو مال نصاب کو ہی پورا نہ کر رہا ہو اس پر سال گزرنے کی شرط کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ شرط کی ایک قسم یہ ہے کہ وہ حکم کے نفاذ کے لیے سبب کو مکمل کرتی ہے اس کو تقویت دیتی ہے اور جب سبب ہی موجود نہ ہو تو شرط کا کوئی کام باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا جب نصاب پورا نہ ہو تو سال گزرنے کی شرط کس سبب کو قوی کرے گی وہاں تو نصاب ہی نہیں ہے۔ جو مال نصاب سے کم ہو جائے وہ زکوٰۃ کے حوالے سے مال معدوم ہو گا اس پر زکوٰۃ کے احکامات نافذ نہ ہوں گے۔ لہٰذا سال گزرنے کی شرط اسی وقت پوری ہو گی جب شروع سال، اس کے دوران اور آخر میں مال نصاب سے کم نہ ہوا ہو۔ اسی صورت میں یہ مال قابلِ زکوٰۃ مال کہلائے گا۔

مذہب مالکی

مالکیہ کے نزدیک سال پورا ہونے سے قبل مال کی زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں۔ مالک کہتے ہیں کہ اگر سال پورا نہ ہو بلکہ پورا ہونے کے قریب ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں[۹۵] مثلاً سال پورا ہونے میں ایک آدھ دن کم ہو یا چند گھنٹے باقی ہوں۔ اگرچہ دیگر فقہاء نے بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی کہ سال کے تمام دن گھنٹے منٹ اور سیکنڈ تک پورے ہونے لازمی ہیں۔ لیکن مالکؒ نے اس سلسلے میں واضح رائے دے کر شریعتِ اسلامی کے مزاج کو بیان کیا ہے، شریعت عبادات اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں مکلفین کو غیر ضروری سختی یا دشواری میں مبتلا نہیں کرتی۔ مثلاً وضو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اپنا چہرہ، ہاتھ کہنیوں تک اور پاؤں ٹخنوں تک دھولو۔ چہرہ، کہنیاں اور ٹخنوں کی پیمائش کر کے انہیں نشان زدہ کرنا اور اس احتیاط کے ساتھ وضو کہ کہیں مقررہ حد بندیوں سے ایک آدھ ملی میٹر بھی کم نہ رہ جائے ورنہ وضو نہ ہوگا، ایسی احتیاط شریعت کو مطلوب نہیں ہے، بلکہ ایک مسلمان عرفِ عام میں جسم کے جتنے حصے کو چہرہ، کہنیاں اور ٹخنے شمار کرتا ہے اسے تین مرتبہ دھولے۔ اسی سختی کا مطالبہ شریعت حقوق العباد کے بارے میں ضرور کرتی ہے۔ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کفارہ، قضاء، قصر اور رخصت جیسی سہولتیں میسر ہیں لیکن بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں اسلام ایسی رعائتیں نہیں دیتا۔

اسی طرح سال گزرنے کی شرط میں ایسی کوئی سختی نہیں ہے کہ سال کے آخری دن کا آخری گھنٹہ منٹ اور سیکنڈ تک پورے ہونے چاہئیں۔ لیکن اگر کوئی شخص سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو

مالکیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ ظہر کی نماز سورج کے زوال ہونے سے قبل ہی پڑھ لے[۹۶]

مذہب شافعیؒ

ان کے ہاں بھی ماسوائے زمین سے نکلنے والی اشیاء کے باقی ہر چیز پر زکوٰۃ اس وقت فرض ہوگی جب اس پر ایک سال گزر جائے[۹۷] الشافعی کہتے ہیں کہ سنت یہی ہے کہ سال گزرنے پر زکوٰۃ فرض ہوگی[۹۸] ان کے نزدیک سال کے شروع سے لیکر آخر تک نصاب پورا ہونا چاہیے اور دورانِ سال بھی نصاب میں کمی واقع نہیں ہونی چاہیے۔ اگر دورانِ سال کہیں نصاب کم ہوگیا تو جب بھی نصاب پورا ہوگا اس پر از سرِ نو سال گزرنے پر زکوٰۃ فرض ہوگی[۹۹] اس مسئلہ میں شافعی کی رائے حنفی فقیہہ زفر کی رائے سے مطابقت رکھتی ہے۔

مذہب حنبلیؒ

احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی سال کا گذرنا وجوبِ زکوٰۃ کے لیے شرط ہے۔ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی قبل از وقت ادا نہیں ہوتی[۱۰۰] حنابلہ بھی حنفی فقیہہ زفرؒ اور شوافع کی طرح اس بات کے قائل ہیں پورا سال نصاب مکمل رہنا چاہیے۔ جس چیز کا سال کے شروع اور آخر میں اعتبار کیا جائے گا سال کے دوران بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا[۱۰۱]

لہٰذا جمہور فقہاء کا موقف یہی ہے کہ کسی مال پر زکوٰۃ اسی وقت فرض ہوگی جب اس پر ایک سال گزر جائے اس دورانِ وہ مال نصاب سے کم نہ ہوا ہو۔ اگر ایک سال کے عرصہ میں کسی بھی وقت نصاب کم ہوگیا تو سال کی شرط ختم ہوجائے گی اور نصاب پورا ہونے پر از سرِ نو سال شمار کیا جائے گا۔ اس موقف کے خلاف مالکیوں کے ہاں بھی کوئی رائے نہیں پائی جاتی صرف حنفی ائمہ ثلاثہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان کے نزدیک سال کے شروع اور آخر میں نصاب پورا ہونا کافی ہے لیکن راجح موقف جمہور فقہاء کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی کے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جانا چاہیے کہ کسی کھاتہ دار کے اثاثے سے ایک سال پورا ہونے سے قبل زکوٰۃ نہ کاٹی جائے۔ اور اس پورا سال کے دوران اثاثے کی رقم نصاب سے کم نہ ہوئی ہو۔

ایک سال گزرنے کی شرط میں حکمت یہ ہے کہ اگر دورانِ سال انسان کو مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو وہ اسے استعمال میں لا سکے اور جو مال خرچ ہونے سے بچ رہے اور نصاب کو پورا کرتا ہو وہ قابلِ زکوٰۃ ہے۔ اگر سال گزرنے کی شرط کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس بات کا امکان

ہے کہ سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ زکوٰۃ ادا ہو جائے جبکہ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اس طرح بار بار زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ مال ہی ختم ہو جائے یا نصاب سے کم ہو کر رہ جائے۔ اسلام اغنیاء کو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی غنی رہنے دینا چاہتا ہے۔ انہیں فقیر نہیں بنانا چاہتا۔ اگر معاشرے میں غنی ہونگے تو ان سے زکوٰۃ وصول کر کے فقراء کو لوٹائی جائے گی۔ غریبوں اور فقیروں سے تو زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی۔

زکوٰۃ وعشر آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء میں اگرچہ یہ صراحت کے ساتھ ہے کہ ہر اس شخص کے اثاثوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی جو تاریخ تشخیصِ مالیت کو صاحبِ نصاب ہو اور اس تاریخ سے قبل ایک سال زکوٰۃ کے دوران بھی صاحبِ نصاب رہا ہو[۱۱۲] آرڈیننس میں اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کسی ایسے شخص کے کھاتہ سے زکوٰۃ وضع کر لی گئی ہو جو تاریخ تشخیصِ مالیت کو اور اس تاریخ سے قبل ایک سال کے تمام عرصہ میں صاحبِ نصاب نہیں تھا تو وہ زکوٰۃ کی کٹوتی اور واپسی کے قواعد مجریہ ۱۹۸۱ء کے قاعدہ نمبر ۲۳ کے تحت اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ مقامی زکوٰۃ کمیٹی سے ایک سرٹیفکیٹ حاصل کرے گا کہ وہ تاریخ تشخیصِ مالیت کو اور گذشتہ ایک سالِ زکوٰۃ کے دوران صاحبِ نصاب نہیں تھا۔ اس سرٹیفکیٹ کے ہمراہ درخواست دینے پر اس کی رقم واپس کر دی جائے گی۔

اگرچہ یہ قانون موجود ہے کہ سال گزرنے سے قبل کسی اثاثے سے زکوٰۃ نہیں کاٹی جائے گی لیکن اس قانون کے نفاذ اور زکوٰۃ کی کٹوتی کے طریق کار میں یہ خامی پائی جاتی ہے کہ سال کی مدت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بلکہ نصاب کی مالیت کے برابر یا اس سے زیادہ تمام اثاثوں سے بلا استثناء زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ ایسا طریقہ وضع کیا جائے کہ جو مال سال گزرنے کی شرط کو پورا نہ کرتا ہو وہ کٹوتی کی زد میں نہ آئے تاکہ لوگوں کو بعد میں اپنی رقوم واپس لینے کے لیے دفتری کارروائیوں کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔

سوم:

مال کا حاجاتِ اصلیہ سے فاضل ہونے کا لحاظ نہ رکھنا

زکوٰۃ کی کٹوتی کے موجودہ طریق کار میں ایک اور قابلِ اصلاح پہلو یہ ہے کہ زکوٰۃ کاٹتے وقت یہ امر ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جاتا کہ اکاؤنٹ میں موجود رقم بنیادی ضروریات

سے فاضل ہے یا کھاتہ دار نے اپنی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے لسے رکھا ہوا ہے۔ زکوٰۃ اس مال پر فرض ہوتی ہے جو انسان کی حوائج اصلیہ یعنی بنیادی ضرورت پر خرچ ہونے کے بعد بچ رہے۔ مال کا بنیادی ضروریات سے زائد ہونا اس پر زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے شرط ہے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر اکاونٹ میں موجود جو رقم ہو وہ قابلِ زکوٰۃ ہی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے کھاتہ میں ظاہر رقم نصابِ زکوٰۃ سے کہیں زیادہ ہے لیکن وہ اس کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ناکافی ہو۔ ایسی صورت میں وہ شخص نہ تو غنی کہلائے گا اور نہ ہی اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ انسان کی حاجاتِ اصلیہ کی تکمیل اس کا بنیادی حق ہے جن کی عدم تکمیل کی حد تک وہ شخص غنی نہیں ہے اس لیے کہ حاجت فقر ہے اور فقر غنی کی ضد ہے۔ لہٰذا وہ جس حد تک اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال کا محتاج ہے اس حد تک وہ فقیر کہلائے گا اور فقیر پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

انسانی ضروریات و حاجات مختلف النوع ہیں اور مقدار کے اعتبار سے بھی یہ انسانوں کے درمیان یکساں نہیں ہیں۔ یہ بات صاحبِ مال ہی بتا سکتا ہے کہ وہ حاجت کی کس حد میں ہے اور آیا اس کا مال اس کی بنیادی ضروریات سے فاضل ہے یا نہیں ہے۔ زندہ رہنے کے لیے خوراک، تن ڈھانپنے کے لیے لباس رہنے کے لیے مکان، علاج کے لیے ادویات، کمانے کے لیے آلات، علم حاصل کرنے کے لیے کتب وغیرہ۔ اہل وعیال اور دیگر زیرِ کفالت افراد کی ضرورتیں، اولاد کی تربیت، آمد و رفت کے لیے ذاتی سواری، تحفظ کے لیے مناسب ہتھیار اور قرض کی ادائیگی وغیرہ یہ سب چیزیں حاجاتِ اصلیہ میں شامل ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے انسان کو مال کی ضرورت رہتی ہے۔ سب کی ضروریات یکساں نہیں ہوتیں۔ پانچ ہزار روپیہ ایک انسان کی ضروریات سے زیادہ ہو سکتا ہے جبکہ دوسرے کے لیے اتنی رقم اس کی ضروریات کے مقابلے میں انتہائی قلیل ہو سکتی ہے۔ اگر کسی کے پاس اتنی رقم ہے جو اس کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہی کافی ہے تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوگی حضرت عبداللہ بن عمر رض کی روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا کان لرجل الف درھم وعلیہ الف درھم فلا زکوٰۃ علیہ۔[۱۰۳]

اگر کسی شخص کے پاس ایک ہزار درہم ہیں اور وہ ایک ہزار درہم کا مقروض ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

اگر ایک شخص اپنے بیوی بچوں کی خوراک اور تعلیم وغیرہ کا ایک سال کا خرچ اندازہ کر کے رقم بینک میں جمع کرا دیتا ہے یا ذاتی مکان کی تعمیر کے لیے کچھ رقم اس نے بینک میں رکھ چھوڑی ہے تو اس پر زکوٰۃ کی کٹوتی نہیں ہونی چاہیے اس لیے کہ یہ فاضل مال نہیں ہے بلکہ اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے پیشگی انتظام کے طور پر یہ رقم اکٹھی کی گئی ہے مستقبل قریب کی ممکنہ ضرورتوں کے لیے رقم بچا کر رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس عمل کی تائید ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ملتی ہے آپ اپنے اور اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کا خرچ نکال لیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ابو الیمان نے شعیب زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان ایک جھگڑے کا تصفیہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے مالِ غنیمت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص حق کی بابت فرمایا:

.... فكانت هذة خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم والله ما احتازها دونكم ولا استاثرها عليكم لقد اعطاكموها وقسمها فيكم حتى بقى هذا المال منها فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفق على اهله نفقة سنتهم من هذا المال ثم ياخذ ما بقى فيجعله مجعل مال الله فعمل ذلك رسول اللهؐ حياته كله

اس قسم کے مال خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے۔ مجاہدین کا اس پر کوئی حق نہیں تھا۔ مگر خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو صرف اپنی ذات کے لیے محفوظ نہیں رکھا بلکہ اپنی ذات پر خرچ کیا اور جو بچ گیا وہ بانٹ دیا۔ جو باقی رہتا اس میں سے اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کا خرچ نکال لیتے اور پھر جو بچتا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام زندگی ایسا ہی کرتے رہے۔

صحیح مسلم میں زہری سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن انسؓ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا:

.... فقسم رسول الله صلى الله عليه وسلم بينكم اموال بنى

النضير فوالله ما استأثر عليكم ولا اخذها دونكم حتى بقى
هذا المال فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأخذ منه نفقة
سنة ثم يجعل ما بقى اسوة المال"[۵۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو بنی نضیر کے مال بانٹ دیتے اور خدا کی قسم آپ نے مال کو تم سے زیادہ نہیں سمجھا اور یہ نہ کیا کہ خود لے لیا ہو اور تم کو نہ دیا یہاں تک کہ یہ مال رہ گیا۔ اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کا اپنا خرچ نکال لیتے اور جو بچ رہتا وہ بیت المال میں شریک ہوتا۔

زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی کے دوران یہ مثال بھی سننے میں آئی کہ ایک بیوہ کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹ لی گئی جس نے اپنے مرحوم شوہر کی ملازمت سے ملنے والے بقایاجات کو بینک میں جمع کرادیا تھا وہ عورت کسب معاش کی طاقت نہیں رکھتی اور چھوٹے بچوں کی پرورش کا بوجھ اس کے ناتواں کندھوں پر ہے۔ ایسی خاتون کے مال پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، شافعیؒ کا ایک قول ہے کہ اگر کوئی شخص کما نہیں سکتا اور وہ کثرت عیال ہے تو وہ ایک ہزار دینار کا مالک ہونے کے باوجود غنی۔ نہیں ہے[۱۰۶]

اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنی بیٹیوں کی شادی کے لیے کچھ رقم مختص کی ہوئی ہے تو یہ رقم بھی زکوٰۃ کی کٹوتی کی زد سے باہر ہونی چاہیے۔ پاکستان کے مسلمانوں کی بعض معاشرتی قدریں آج بھی ہندوانہ ثقافت کا اثر لیے ہوئے ہیں ان میں سے ایک جہیز کی لعنت ہے۔ آج کل جہیز کے بغیر بیٹی کو بیاہ دینے کا تصوّر کرنا بہت مشکل ہے۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیٹی کو جہیز نہیں دیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر آپ کی طرف سے جن چیزوں کے دینے کا ذکر آتا ہے ان کی نوعیت جہیز کی نہ تھی بلکہ حقیقت میں وہ حضرت علیؓ کی امداد تھی۔ حضرت علیؓ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ایک بیٹی کو جہیز دیا ہوتا تو دوسری بیٹیوں کو بھی دیتے۔ البتہ اس زمانے میں عورتوں کو ان کے معاشرتی مقام و حیثیت کے مطابق مہر ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو ایک عام عورت نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا کہ اس کی پابندی نبی نے نہیں لگائی آپ کیوں لگانے ہیں۔ آج کل مسلمانوں کے معاشرے میں معاملہ الٹ ہو گیا ہے۔ سامانِ جہیز میں قیمتی قیمتی اشیاء کے مطالبے کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف

عورت کے معاشرتی مقام کو اتنا ارزاں کر دیا گیا ہے کہ نام نہاد "شرعی" مہر کے نام پر بتیس روپے مقرر کرنے کی ضد کی جاتی ہے۔

ان حالات میں اگر ایک شخص اپنی بیٹیوں کی شادی اور جہیز کے لیے کچھ رقم بینک میں جمع کرا دیتا ہے تو اس پر زکوٰۃ کاٹ لینا درست نہیں ہے۔

فقہاء نے ایسے مال کو جو بنیادی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے ہو، مالِ معدوم قرار دیا ہے[۱۰۱] اور معدوم پر زکوٰۃ نہیں ہوتی جیسے ایک پیاسے شخص کے پاس اتنا ہی پانی ہے جس سے وہ صرف اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اس صورت میں وضو کے لیے اس پانی کو معدوم تصوّر کیا جائے گا۔ اس شخص کے لیے جائز ہوگا کہ وہ پانی پی کر اپنی پیاس بجھا لے اور وضو کی بجائے تیمم کرے۔ اسی طرح بنیادی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے لیے رکھی ہوئی رقم زکوٰۃ کے اعتبار سے معدوم کہلائے گی۔

لہٰذا کھاتہ دار صاحبِ مال سے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اس کی کتنی رقم قابلِ زکوٰۃ ہے تاکہ وہ اپنی حاجاتِ اصلیہ کے لیے رقم اس میں سے منہا کرے اور باقی رقم پر زکوٰۃ کاٹ لی جائے۔

چہارم

مشترکہ اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کی کٹوتی

زکوٰۃ کی کٹوتی میں ایک اور خامی جس کی طرف نشاندہی کرنا ضروری ہے، یہ ہے کہ مشترکہ اکاؤنٹ کے اثاثوں سے بھی ایک فرد کا اکاؤنٹ سمجھ کر زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ مشترکہ اکاؤنٹ کے ایک سے زیادہ کھاتہ دار ہوتے ہیں جن میں سے بعض کا حصّہ نصابِ زکوٰۃ کو پورا نہیں کر رہا ہوتا۔ دیگر شرعی احکامات کی طرح زکوٰۃ ہر مسلمان پر انفرادی طور پر فرض ہے۔ کسی معنوی شخصیت پر عبادات فرض نہیں ہیں۔ اگر مشترکہ اکاؤنٹ کے سب کھاتہ داروں کے حصّے الگ الگ نصابِ زکوٰۃ کو پورا کرتے ہوں تو ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ لیکن جس کا حصّہ نصاب سے کم ہو وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا خواہ ان سب حصّہ داروں کو مجموعی رقم نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔

ابوحنیفہ اور مالک دونوں کا یہ فتویٰ ہے کہ کسی شراکت میں شامل حصّہ دار پر اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں جب تک اس کی رقم نصاب کے برابر نہ ہو جائے[۱۰۲]۔ البتہ شافعیؒ[۱۰۳] دونوں سے اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک مشترک مال پر مجموعی طور پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور شراکت کے مجموعی مال پر مالِ واحد کا اطلاق ہوگا[۱۰۴]۔

شافعیؒ کے نزدیک شراکت کی صورت میں مال کو دیکھا جائے گا مال کے مالک کو نہیں[۱۱۰] کیونکہ زکوٰۃ کا رکن مال ہے۔

ائمہ کرام کے درمیان اس اختلاف کی وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مفہوم میں اجمال کا پایا جانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لیس فیما دون خمس اواق صدقة[۱۱۱]

پانچ اوقیہ (چاندی) سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

اس حدیث سے دو مفہوم مراد لیے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث کا حکم اس صورت کے لیے ہے جب مال کا مالک ہو۔ جس کسی کے پاس پانچ اوقیہ چاندی ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث صرف مال کی مقدار کو بیان کرتی ہے[۱۱۲] اور وہ پانچ اوقیہ چاندی ہے لہٰذا جو چاندی بھی مقدار میں پانچ اوقیہ ہو جائے اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی خواہ اس کا مالک ایک فرد ہے یا ایک سے زیادہ۔

یہاں پہلا مفہوم ہی لائقِ ترجیح ہے۔ بنیادی طور پر زکوٰۃ مال پر فرض نہیں ہوتی بلکہ صاحب مال پر فرض ہے اور صاحب مال بھی وہ جو غنی ہو اور جس کا مال نصابِ زکوٰۃ کو پورا کرتا ہو، مال کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ کسی کی ملکیت میں ہو۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے :

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها[۱۱۳]

(اے نبی) تم ان کے اموال سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ۔

اس آیت میں مال کی اضافت صاحبِ مال کی طرف کی گئی ہے اور حکم کا خطاب بھی صاحبِ مال کی طرف ہے۔

اس کے علاوہ فرمانِ نبویؐ ہے :

إن الله قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم[۱۱۴]

بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے

گی اور ان کے فقرا کو لوٹائی جائے گی۔

یہاں بھی زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم اغنیاء کے لیے ہے۔ اموال کے لیے نہیں اس لیے ہر صاحب مال کے مال کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ مال نصاب سے کم ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہو گی۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے ایک مشترکہ اکاونٹ کے کچھ کھاتہ داروں پر زکوٰۃ فرض ہو اور کچھ پر یہ فرض نہ ہو۔

طاؤس اور ثوری کے نزدیک ایک شراکت میں کام کرنے والے دو شریکوں کے مالوں کو زکوٰۃ نکالنے کی غرض سے جمع نہیں کیا جائے گا۔ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا مال اگر نصاب زکوٰۃ کو پورا نہیں کرتا تو کسی ایک پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی[۱۱۵] خواہ سب شریکوں کا مجموعی مال نصاب کے برابر ہو۔ صحیح بخاری میں سفیانؒ کا ایک ایسا ہی قول نقل کیا گیا ہے[۱۱۶]

پنجم

غیر ملکی کرنسی کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دینا

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۱ء میں غیر ملکی کرنسی میں رکھے گئے تمام قابل زکوٰۃ اثاثوں کو لازمی کٹوتی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ آرڈیننس میں یہ ترمیم ۴ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو زکوٰۃ و عشر ترمیمی آرڈیننس (XLVI برائے ۱۹۸۴ء) کے ذریعے کی گئی۔ اس ترمیم سے قبل غیر ملکی کرنسی میں رکھے گئے صرف سیونگز بنک حسابات، نوٹس ڈیپازٹ رسیدیں اور فکسڈ ڈیپازٹ رسیدیں زکوٰۃ کی لازمی وصولی سے مستثنیٰ تھیں۔ ترمیمی آرڈیننس ۱۹۸۴ء کے ذریعے پہلے جدول میں مذکور تمام گیارہ قابل ذکر اثاثے زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی سے مستثنیٰ کر دیے گئے بشرطیکہ یہ غیر ملکی کرنسی میں رکھے گئے ہوں اور ان کا منافع اور انہیں بھناتے یا واپسی کے وقت رقم بھی غیر ملکی کرنسی میں ادا کی جائے[۱۱۷]

کرنسی خواہ پاکستانی روپیہ ہو یا امریکی ڈالر وہ مال ہے۔ پاکستان میں غیر ملکی کرنسی کی درآمد کی اجازت ہے۔ بینکوں میں اس کے اکاونٹ کھولے جا سکتے ہیں۔ کاروبار میں غیر ملکی کرنسی بھی استعمال ہوتی ہے۔ جس غیر ملکی کرنسی کو پاکستان میں قانونی تحفظ حاصل ہو۔ اس پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیے۔ اس کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ جس کے پاس پاکستانی روپیہ ہو اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور جس کے پاس امریکی ڈالر کی صورت میں سرمایہ ہو اسے زکوٰۃ معاف ہو۔ زکوٰۃ کی وصولی میں ملکی اور غیر ملکی کرنسی کی قانونی تفریق غیر شرعی ہے اس لیے کہ یہ دونوں مال ہیں۔ آرڈیننس میں غیر ملکی کرنسی کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دینا زکوٰۃ

جیسے اہم دینی فریضے اور اسلام کے تیسرے بنیادی رکن کی ادائیگی سے راہِ فرار کو قانونی تحفظ دینے کے مترادف ہے۔

ششم

صاحبِ مال کی نیت کا شامل نہ ہونا کٹوتی زکوٰۃ کے موجودہ طریق کار میں ایسا بھی ہو رہا ہے کہ کھاتہ دار کی طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی بحیثیت عبادت ناقص رہتی ہے۔ ایسی مثالیں پائی گئی ہیں کہ ایک شخص اپنے اکاؤنٹ سے رقم نکلوانے گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹ لی گئی ہے۔ یوں زکوٰۃ کی کٹوتی میں اس کی نیت و ارادہ شامل نہ ہوا زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے۔

قرآن مجید میں ہے :

وما امروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء [۱۸]

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر۔

اگرچہ قانونی طور پر یہ اعلان ہے کہ ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ کاٹ لی جایا کرے گی۔ لیکن اس میں کھاتہ دار کی نیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مساجد میں اذان ہو جانے سے یہ کافی نہیں ہو جاتا کہ ایک شخص بغیر نیت کے نماز ادا کرے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سی نماز کی کتنی رکعتیں ادا کر رہا ہے اور وہ فرض ہیں یا سنت یا نفل ہیں۔ زبان سے مخصوص الفاظ کی ادائیگی نہ سہی لیکن دل میں نیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ نیت اور ارادہ کا مقام دل ہے۔ اسی طرح ایک شخص کے اکاؤنٹ سے جب زکوٰۃ کاٹی جا رہی ہو تو اس کٹوتی میں متعلقہ شخص کی نیت و ارادہ شامل ہونا چاہیے۔ بلا نیت و ارادہ سرانجام دیے جانے والے فعل کے اچھے یا بُرے نتیجہ کا ذمہ دار اس کے فاعل کو نہیں بنایا جاتا۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ مانوى [۱۹]

عملوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔

زکوٰۃ کی ادائیگی ایک عمل ہے لہٰذا اس میں نیت کا ہونا ضروری ہے۔

زکوٰۃ میں نیت کی شرط کے بارے میں فقہاء کے اقوال درج ذیل ہیں :

احناف کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ کے جواز کے لیے نیت شرط ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی[۱۲۰] اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی نیت کے بغیر اپنے مال سے کچھ حصہ نکالتا ہے تو اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی[۱۲۱] احناف بلانیت زکوٰۃ کی ادائیگی کو قیاس کی رو سے درست قرار نہیں دیتے البتہ ان کے ہاں یہ استحساناً درست ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے سارے مال کو خیرات کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس پر سے زکوٰۃ کا فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے پورے مال کو خیرات کر دیا ہے تو مال کی زکوٰۃ بھی اس میں ادا ہوگی۔ جب اس نے کُل مال کو مستحقین میں تقسیم کر دیا تو جزو یعنی زکوٰۃ بھی اپنے مستحقین کے پاس پہنچ گئی[۱۲۲] لہٰذا بلانیت زکوٰۃ کی ادائیگی استحساناً اس وقت درست ہوگی جب پورا مال خیرات کر دیا گیا ہو۔

مالکیؒ، شافعیؒ اور حنبلیؒ فقہاء کے نزدیک بھی زکوٰۃ ادا کرنے میں صاحبِ مال کی نیت کا ہونا شرط ہے[۱۲۳] اگر اس نے زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد زکوٰۃ کی نیت کی تو اس کی طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں ہوگی[۱۲۴]

حنبلی فقیہہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اپنی مرضی اور رضامندی سے زکوٰۃ ادا کرنے میں نیت شرط ہے البتہ اگر حاکم جبری طور پر زکوٰۃ وصول کرے تو پھر زکوٰۃ ادا کرنے والے کی نیت ضروری نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں اُس کی طرف سے نیت کا ہونا مشکل ہے۔ لہٰذا نابالغ اور مجنوں کی طرح اس پر بھی نیت کا واجب ہونا ساقط ہو جائے گا[۱۲۵]

ریاست وصولیٔ زکوٰۃ میں صرف اس وقت جبر سے کام لے سکتی ہے جب کوئی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ کی اور ان سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی۔ لیکن بینکوں وغیرہ سے جو زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے۔ اس میں جبر کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔ کوئی مسلمان کھاتہ دار زکوٰۃ کی ادائیگی کا منکر نہیں ہوتا۔ اس لیے زکوٰۃ کی کٹوتی کے عمل میں کھاتہ دار کی نیت غیر ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ابوالخطاب اور ابنِ عقیل کا کہنا ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان معاملے میں صاحبِ مال کی

نیت کے بغیر عمل درست نہیں کیونکہ حاکم یا تو صاحبِ مال کا وکیل ہے یا فقراء کا یا دونوں کا۔ ان تینوں میں سے کوئی صورت بھی ہو ہر صورت میں صاحبِ مال کی نیت کا ہونا ضروری ہے[۱۲۶]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیّت کی شرط پر فقہاء کا اجماع ہے۔ صرف اوزاعی کے نزدیک شرط نہیں وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ قرض ہے اور دیگر تمام قرضوں کی طرح زکوٰۃ میں بھی نیّت کا ہونا ضروری نہیں[۱۲۷]

زکوٰۃ حقوق العباد کے حوالے سے اگرچہ قرض کہلا سکتا ہے لیکن اصلاً یہ عبادت ہی ہے۔ مال میں سے زکوٰۃ نکالنا عبادت ہے۔ زکوٰۃ کو مستحقین تک پہنچانے کو قرض کی ادائیگی کہا جاسکتا ہے۔ گویا قرض کی ادائیگی کا مرحلہ عبادت کے بعد آتا ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کو مستحقین تک پہنچانا بھی اس عبادت ہی کا ایک حصّہ ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کی کٹوتی کا ایسا طریقہ کار وضع کیا جانا چاہیے کہ اس میں ہر کھاتہ دار کی نیت شامل ہو سکے۔

ہفتم

حلال اور حرام مال کی تمیز کا نہ ہونا

زکوٰۃ صرف اس مال کی جائز ہوتی ہے جو شرعی طور پر حلال ہو۔ جس طرح ناپاک جسم ناپاک کپڑوں اور غصب شدہ زمین پر نماز نہیں ہوتی اسی طرح غیر شرعی اور حرام طریقوں سے کمائے گئے مال کی زکوٰۃ جائز نہیں ہے اس لیے کہ ایسے مال پر اس شخص کی شرعی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

حضرت مصعب بن سعدؓ کی ایک روایت ہے:

دخل عبد اللّٰہ بن عمر علی ابن عامر یعودہ وھو مریض فقال الا تدعوا اللّٰہ لی یا ابن عمر قال انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور، ولا صدقۃ من غلول وکنت علی البصرۃ[۱۲۸]

عبداللہ بن عمرؓ ابن عامر کے پاس عیادت کرنے کو آئے ابن عامر نے کہا ابن عمر تم میرے لیے دعا نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ نماز بغیر طہارت قبول نہیں کرتا اور اس مال کا صدقہ قبول نہیں کرتا جو مالِ غنیمت سے تقسیم سے پہلے اُڑا لیا جائے اور تم تو بصرہ کے حاکم رہ چکے ہو۔

لہٰذا جو مال دھوکہ، فریب، چوری، غصب یا کسی اور حرام طریقے سے حاصل کیا ہو اس کی زکوٰۃ جائز نہیں

ہے۔ زکوٰۃ کی کٹوتی کے وقت یہ یقین کر لینا چاہیے ہے جس اثاثہ سے زکوٰۃ کاٹی جا رہی ہے وہ شرعی طور پر مال کہلانے کا حق دار ہے۔ جو چیز غیر شرعی اور حرام طریقے سے کمائی یا حاصل کی گئی ہو اس کی زکوٰۃ جائز نہیں ایک تو اس لیے کہ یہ شرعی طور پر مال نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ جس کے پاس یہ ہے وہ اس کا شرعی مالک نہیں بلکہ یہ کسی اور کی چیز ہے۔ وہ شخص تو حقیقت میں مال کے بغیر ہے اور فقیر ہے۔

الکاسانی نے ابو مطیع البلخی کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے[۲۹] کہ والی خراسان علی بن عیسٰی ابن ہامان پر [illegible] کفارہ لازم تھا۔ اس نے فتویٰ معلوم کیا تو فقہا نے اسے کفارہ میں تین روزے رکھنے کا فتویٰ دیا۔ وہ یہ سُن کر برہم ہوا۔ اس نے درباریوں سے کہا یہ فقہا مجھے کہہ رہے ہیں کہ جس قدر تمہارے پاس مال ہے اس سے زیادہ تو تمہارے اُوپر لوگوں کے تاوان اور قرضے چکانے لازم ہیں۔ اِس لیے تم درحقیقت فقیر ہو۔ تمہاری قسم کا وہی کفارہ ہوگا جو اس شخص کی قسم کا کفارہ ہے جو کسی شے کا مالک نہ ہو۔

تجاویز

۱۔ بینکوں اور دیگر مالی اداروں میں زکوٰۃ کی کٹوتی کے لیے سونے کے نصاب کو معیار بنا کر کرنسی کا نصاب متعین کیا جائے۔ یا پاکستان میں سونا، چاندی، اونٹ، بکری اور گائے میں سے ہر ایک نصابِ زکوٰۃ کی جو مالیت بنے ان سب کی مالیتوں کا اوسط نکال لیا جائے۔ اس اوسط کو معیار مان کر کرنسی کا نصاب مقرر کر لیا جائے۔

۲۔ زکوٰۃ کی کٹوتی میں خود تشخیصی نظام رائج کیا جائے۔ ہر کھاتہ دار خود اپنے اثاثے کی تشخیص کر کے بتائے کہ اس کے کھاتے میں ظاہر اثاثہ قابلِ زکوٰۃ ہے یا نہیں ہے اور اگر ہے تو کتنا۔ خود تشخیصی طریقِ کار سے ان تمام خامیوں کو دور کیا جا سکتا ہے جن کی اس مقالہ میں نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ بات کھاتہ دار ہی تبلا سکتا ہے کہ اس کا اثاثہ اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہے یا یہ ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے ہے اور اگر ضروریات سے فاضل ہے تو اس پر ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہے یا ابھی اس فاضل مال کو رکھے ہوئے سال سے کم عرصہ ہوا ہے۔ یہ حقیقت بھی کھاتہ دار ہی جانتا ہے کہ وہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے وہ مال حلال ہے یا حرام۔ خود تشخیصی نظام کے تحت زکوٰۃ کی کٹوتی میں صاحبِ مال کی نیت نہ شامل ہونے کا خدشہ بھی ختم ہو جائے گا اور مشترک اکاونٹ کی صورت میں ایک شریک کا حصّہ اگر نصابِ زکوٰۃ سے کم ہوگا تو وہ زکوٰۃ کے نام پر کٹوتی سے بچ جائے گا۔ ایک کھاتہ دار اپنے

اثاثے کے بارے میں جو کچھ تشخیص کرے اس کی تفتیش و تحقیق نہ کی جائے اور اس کے بیان کے مطابق اس کے اثاثے سے کٹوتی کی جائے ۔ اثاثے کے بارے میں کھاتہ دار کے بیان کو اس کے ایمان اور ضمیر پر چھوڑ دیا جائے ۔

۳ - ایک پاکستانی مسلمان کھاتہ دار کا غیر ملکی کرنسی پر مشتمل اثاثہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہ کیا جائے . زکوٰۃ کی کٹوتی میں ملکی و غیر ملکی کرنسی کی قانونی تمیز ختم کی جائے ۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الحج۔ آیت : ۴۱

۲۔ سورۃ التوبہ۔ آیت : ۱۰۳

۳۔ الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب۔ الاحکام السلطانیہ۔ دارالکتب بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸م ص ۱۱۳

۴۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری۔ مترجم محمد عادل خان، محمد فاضل قریشی۔ مکتبہ تعمیر انسانیت
اردو بازار لاہور ۱۹۷۹ء۔ ۵۲۶/۱

۔ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ مترجم وحید الزمان۔ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور ۵۷۶/۱

۔نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، مترجم دوست محمد شاکر، محمد عبدالستار قادری، حامد اینڈ کمپنی اردو بازار
لاہور۔ ج ۲ ص ۸۸

۵۔ الہیثمی، الحافظ نورالدین علی بن ابوبکر۔ م ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد۔
مؤسسۃ المعارف بیروت ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء، ج ۳ ص ۶۸ - ۶۹
(یہ حدیث الطبرانی کی "الاوسط" کے حوالے سے نقل کی ہے)

۶۔ الکاسانی، ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ ج ۲ ص ۳

۷۔ Zakat and Ushr Ordinance No.XVIII of 1980
Article 28 (2) (2)

۸۔ سورۃ الحشر، آیت : ۷

۹۔ سائنس، فرشتہ ج۔ د۔ زکوٰۃ فلسفہ اور قانون، مترجم چوہدری عبدالرحمٰن عابد، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ص ۱۴۳

۱۰۔ الزیلعی، نصب الرایۃ لأحادیث الهدایۃ، دارالمامون۔ ج ۳۔ ص ۳۵۹

۱۱۔ Zakat and Ushr Ordinance No.XVIII of 1980
Article 2(VIII)

١٢- As above Article 28(2) (3)

١٣- As above Article 2 (XVA)

١٤۔ صحیح بخاری ۱/۵۲۷، سنن نسائی ۲/۹۰، سنن ابن ماجہ ۱/۴۳۰

١٥۔ مالک بن انس۔ المدونۃ الکبریٰ۔(رواھا الامام سحنون بن سعید التنوخی عن عبدالرحمٰن بن قاسم العتقی عن مالک)، دارصادر بیروت۔ ج۱۔ ص ۲۴۲

١٦۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۹۴ء

١٧۔ سورۃ التوبہ۔ آیت: ۱۰۳

١٨۔ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، اردو بازار لاہور، ۱۹۷۵ء، ۲/۳۷۵

١٩۔ ایضاً، ۲/۳۷۲

٢٠۔ سنن ابن ماجہ، باب صداق النساء ۲/۳۵

٢١۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ۲/۳۸۵

٢٢۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، ۱/۳۶۷

٢٣۔ محمد حمیداللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۸۸ء ص ۳۹۳

٢٤۔ صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ، ۱/۳۶۷

٢٥۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ۲/۳۹۳

٢٦۔ صحیح بخاری، ۱/۳۶۷

٢٧۔ مالک، المدونۃ الکبریٰ، ۱/۲۴۲

٢٨۔ صحیح بخاری ۱/۱۴۵-۲۴۵، حضرت ابوبکرؓ کے اس خط کا ذکر نسائی ۲/۹۱، ابوداؤد ۱/۱۵۸ اور ابن ماجہ ۱/۳۳۷ میں بھی ہے۔

٢٩۔ السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل ابوبکر، م ۴۸۳ھ، المبسوط، ۲/۱۵

٣٠۔ ابن تیمیہ، منتقی الاخبار، مترجم مولانا محمد داود، راغب رحمانی، دارالدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور، ۱۹۸۲ء ص ۷۸۹، سنن ابوداود ۱/۴۳۰

٣١۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مترجم مولانا عبدالحق حقانی، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور ص ۱۴۱

۳۲ - شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ۔ ۱۹۴/۵

۳۳ - ایضاً ، ۱۹۴/۵

۳۴ - العسقلانی ، المجموع ، دار الفکر ، ج ۲ ص ۴

۳۵ - الرسالۃ میں امام شافعی کے اس قول کو ابن حجر العسقلانی نے نقل کیا ہے۔ المجموع ج ۲ ص ۴

۳۶ - ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد احمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ، اسلامک پبلشنگ ہاؤس
شیش محل روڈ لاہور ج ۱ ص ۱۸۷

۳۷ - ایضاً ، ج ۶ ص ۶۲

۳۸ - ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید ، م ۴۵۶ ھ ، المحلی ۔ دار الافاق الحدیدۃ بیروت ، ج ۶ ص ۷۰

۳۹ - ایضاً ، ج ۶ ص ۶۲

۴۰ - المحلی لابن حزم ج ۶ ص ۶۳ ، محمود الطحان ، الدکتور ، تیسیر مصطلح الحدیث نشر السنۃ ملتان ص ۱۷

۴۱ - المحلی لابن حزم ، ج ۶ ص ۶۳

۴۲ - القرضاوی ، یوسف الدکتور ، فقہ الزکاۃ ، مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی ، البدر پبلیکیشنز اردو بازار
لاہور ، ۱۹۸۲ء ، ۱/۴

۴۳ - بدائع الصنائع ۲/۱۸ ، المبسوط ۲/۱۹۰ ، المدونۃ الکبریٰ ۱/۲۴۲

۴۴ - بدایۃ المجتہد ۱/۱۸۶

۴۵ - بدائع الصنائع ۲/۱۸ ، المبسوط ۲/۱۹۰ المدونۃ الکبریٰ ۱/۲۴۲

۴۶ - Zakat and Ushr Ordinance No.XVIII of 1980
Article 2(XVA)

۴۷ - خطبات بہاولپور ، ص ۳۹۳

۴۸ - حجۃ اللہ البالغۃ ص ۴۱۱

۴۹ - صحیح بخاری ، ۱/۵۵۹

۵۰ - ۵ / اکتوبر ۱۹۹۴ء

۵۱ - بدائع الصنائع ، ۲/۲ ، المبسوط ۲/۱۹۱ ابن الہمام ، محمد بن عبد الواحد م ۸۶۱ ھ ، فتح القدیر
المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ، پاکستان ، ج ۲ ص ۱۶۷

۵۲ ۔ بدائع الصنائع ۲/۲۱ ، المبسوط ۲/۱۹۱ ، فتح القدیر ۲/۱۶۷

۵۳ ۔ بدائع الصنائع ۲/۲۱ ، المبسوط ۲/۱۹ ، فتح القدیر ۲/۱۶۷

۵۴ ۔ المجموع ۷/۶۶ ، العینی، ابو محمد محمود بن احمد، البنایۃ فی شرح الہدایۃ، دارالفکر بیروت ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء ۳/۴۰۱

۵۵ ۔ المجموع ، ۷/۶۶

۵۶ ۔ صحیح بخاری ۱/۵۳۵

۵۷ ۔ بدایۃ المجتہد ۱/۱۹۷

۵۸ ۔ مسند احمد بن حنبل (۱۶۴/۲۴۱) ۔ دارالمعارف بمصر ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء ۔ ج ۱ ص ۱۰۴ ۔ ابن ماجہ ۱/۴۳۰ ، ابوداؤد ۱/۶۰۶

۵۹ ۔ ابن قدامۃ، ابو محمد عبداللہ بن محمد، المغنی، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ الریاض، ج ۲ ص ۶۳۰

۶۰ ۔ ابو عبید، کتاب الاموال، المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ ص ۴۱۳

۶۱ ۔ محمد رواس قلعہ جی، الدکتور، موسوعۃ فقہ عبداللہ بن مسعود، مطبعۃ المدنی القاہرہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۴ء ص ۲۹۹

۶۲ ۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار من احادیث سید الاخبار، دارالجیل بیروت، ج ۴ ص ۲۰۰، ۲۱۴

۶۳ ۔ بدائع الصنائع ۲/۵۱ ، فتح القدیر ۲/۱۵۴ ، المغنی ۲/۶۳۰ ، المحلی ۲/۹۶
الشافعی، محمد بن ادریس، الام، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ج ۲ ص ۲۳
عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، المصنف، المجلس العلمی بیروت لبنان ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۲ء ، ج ۴ ص ۳۲، ۸۷،
(۱۲۶، ۲۱۱)

۶۴ ۔ سورۃ آل عمران ، آیت : ۱۳۳

۶۵ ۔ سنن ابو داؤد، مترجم وحید الزمان، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور ۱۹۸۲ء ، ۱/۶۰۸

۶۶ ۔ تیسیر مصطلح الحدیث الدکتور محمود الطحان ص ۴۱ ۔ ۴۲

۶۷ ۔ سنن ابن ماجہ، ۱/۴۳۰

۶۸ ۔ تیسیر مصطلح الحدیث الدکتور محمود الطحان ص ۷۷

۶۹ ۔ ایضاً، ص ۶۵

۷۰ ۔ الام للشافعی ۲/۲۲

۷۱ - کتاب الاموال لأبی عبید ص ۴۱۴

۷۲ - ایضاً ، ص ۴۱۲

۷۳ - المحلی لابن حزم ۵ / ۲۶۸

۷۴ - مسند احمد بن حنبلؒ ۲/۱۲۶۴ ، کتاب الاموال لأبی عبید ص ۴۱۳

ابن حجر العسقلانی، حافظ شہاب الدین احمد، بلوغ المرام، فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۷۹ء ص ۲۰۳

۷۵ - سنن ابن ماجہ ۱/ ۷۲۹ ، کتاب الاموال ص ۴۱۳

۷۶ - المصنف لعبد الرزاق ۴/۷۵ ، جامع ترمذی، مترجم مولانا بدیع الزمان، نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور ۱۹۸۸ء ج ۱ ص ۲۴۷

۷۷ - کتاب الاموال لأبی عبید ۲/۱۷ ، المدونۃ الکبری ۱/۲۷۲

مالک بن انس، الموطا، مترجم وحید الزمان، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور، ۱۴۰۲ھ، ص ۲۳۵

۷۸ - الموطا لمالک ص ۲۳۴ ، الام للشافعی ۲/۱۷

۷۹ - کتاب الاموال لأبی عبید ص ۴۱۲

۸۰ - المصنف لعبد الرزاق ۴/۸۰

۸۱ - کتاب الاموال لأبی عبید ص ۴۱۷

۸۲ - ایضاً ، ۴۰۹

۸۳ - مسند احمد بن حنبلؒ ۲/۱۲۶۳

۸۴ - بلوغ المرام لابن حجر العسقلانی ص ۲۰۳

۸۵ - تیسیر مصطلح الحدیث الدکتور محمود الطحان ، ص ۴۵

۸۶ - فتح القدیر لابن الہمام ۱/۱۱۳

۸۷ - سنن ابن ماجہ ۱/۷۲۹

۸۸ - ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، المقنع، المطبعۃ السلفیۃ، ۲۱ شارع الفتح بالروضۃ ۱/۲۹۳

۸۹ - بدائع الصنائع للکاسانی ۲/۱۴

۹۰ - موطا امام محمد، مترجم حافظ نذر محمد، مسلم اکادمی محمد نگر لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۲

۹۱۔ بدائع الصنائع للکاسانی ۲/ ۸
۹۲۔ ایضاً : ۲/ ۱۶
۹۳۔ ایضاً : ۲/ ۱۶
۹۴۔ جامع الاصول ، اردو ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ ، مترجم ڈاکٹر احمد حسن ، مطبع مجتبائی پاکستان ہسپتال روڈ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۷۵ ، الفریدان ، عبدالکریم الدکتور
۹۵۔ المدونۃ الکبریٰ لمالک ، ۱/ ۲۸۴
۹۶۔ ایضاً ، ۲۸۵
۹۷۔ الام للشافعی ، ۲/ ۱۷
۹۸۔ ایضاً ، ۲/ ۱۸
۹۹۔ ایضاً ، ۲/ ۴۰
۱۰۰۔ المغنی لابن قدامہ ، ۲/ ۶۳۰
۱۰۱۔ ایضاً ، ۲/ ۶۲۹
۱۰۲۔ Zakat and Ushr Ordinance No.XVIII of 1980 3(1)
۱۰۳۔ المغنی لابن قدامہ ، ۲/ ۴
۱۰۴۔ صحیح بخاری ، کتاب المغازی ۲/ ۵۲۶
۱۰۵۔ مسلم بن الحجاج ، صحیح مسلم ، کتاب الجہاد والیسر ، مترجم وحید الزماں ، نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء ، ج ۵ ، ص ۲۱
۱۰۶۔ معالم السنن ۲/ ۲۲۷
۱۰۷۔ المبسوط للسرخسی ، ۲/ ۱۹۷
۱۰۸۔ بدایۃ المجتہد ، ۱/ ۱۸۸
۱۰۹۔ ایضاً ، ۱/ ۱۸۸
۱۱۰۔ الزنجانی ، شہاب الدین محمود بن احمد ، تخریج الفروع علی الاصول ، مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲م ، ص ۱۱۵

۱۱۱ - صحیح بخاری ، ۱/ ۵۲۰

۱۱۲ - بدایۃ المجتہد لابن رشد ، ۱/ ۱۸۸

۱۱۳ - سورۃ التوبۃ ، آیت : ۱۰۳

۱۱۴ - صحیح بخاری ، ۱/ ۵۵۹

۱۱۵ - المصنف لعبدالرزاق ، ۴/ ۲۱

۱۱۶ - صحیح بخاری ، ۱/ ۵۴۲

۱۱۷ - Zakat and Ushr Ordinance No.XVIII of 1980 Article 3(1)

۱۱۸ - سورۃ البینۃ ، آیت ۵

۱۱۹ - صحیح بخاری ، کتاب الوحی ، ۱/ ۸

۱۲۰ - بدائع الصنائع للکاسانی ، ۲/ ۴۰

۱۲۱ - المبسوط للسرخسی ، ۴/ ۳۴

۱۲۲ - المبسوط للسرخسی ۴/ ۳۴ ، فتح القدیر لابن الہمام ۲/ ۱۳۶ ، بدائع الصنائع للکاسانی ۲/ ۴۰

۱۲۳ - الام للشافعی ۲/ ۲۲ ، المغنی لابن قدامۃ ۲/ ۶۳۸

۱۲۴ - الام للشافعی ۲/ ۲۲

۱۲۵ - المغنی لابن قدامۃ ۲/ ۶۴۰

۱۲۶ - ایضاً ، ۲/ ۶۴۰

۱۲۷ - العینی ، ابو محمد محمود بن احمد ، البنایۃ فی شرح الہدایۃ ، دار الفکر بیروت ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء ج ۳ ص ۳۶۸ ، المغنی لابن قدامۃ ج ۲ ص ۶۳۸

۱۲۸ - صحیح مسلم ، کتاب الطہارت ۱/ ۳۶۲

۱۲۹ - بدائع الصنائع للکاسانی ۲/ ۳۶